روزنامہ
الفضل
ٹیلی فون نمبر 047-6213029 C.P.L 29-FD
ایڈیٹر: عبدالسمیع خان
Web: http://www.alfazl.org
Email: editor@alfazl.org

ہفتہ 12 اگست 2006ء 16 رجب 1427 ہجری 12 ظہور 1385 ہش جلد 56-91 نمبر 180

حرمت وطن

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مکہ کی حرمت قائم کی ہے نہ یہاں مجھ سے پہلے کسی کے لئے لڑائی جائز تھی نہ میرے بعد کسی کیلئے جائز ہے (اور مجھے بھی فتح مکہ کے موقع پر چند لمحوں کیلئے لڑائی کی اجازت دی گئی تھی۔) اس شہر کا گھاس اور درخت نہ کاٹے جائیں اس کے جانوروں کو تکلیف نہ دی جائے اور کوئی گری پڑی چیز سوائے اعلان کرنے والے کے اور کوئی نہ اٹھائے۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الاذخر حدیث نمبر 1662)

پاکستان اہم معلومات

سب سے بڑا فوجی اعزاز
نشان حیدر

سب سے بڑا سول اعزاز
نشان پاکستان

بری فوج کا سب سے بڑا عہدہ
فیلڈ مارشل

ہوائی فوج کا سب سے بڑا عہدہ
مارشل آف دی ایئرفورس

بحری فوج کا سب سے بڑا عہدہ
ایڈمرل آف دی فلیٹ

سب سے بڑا ڈیم:
تربیلا ڈیم (صوبہ سرحد) دریائے سندھ، منگلا ڈیم (آزاد کشمیر) دریائے جہلم اور وارسک ڈیم (صوبہ سرحد) دریائے کابل بالترتیب دوسرے اور تیسرے بڑے ڈیم ہیں۔

سب سے بڑا پن بجلی گھر
تربیلا بجلی گھر، پیداواری گنجائش (اگست 1988ء) 1750 میگاواٹ، منگلا بجلی گھر اور وارسک بجلی گھر بالترتیب 800 میگاواٹ اور 230 میگاواٹ پیداواری صلاحیت کے ساتھ دوسرے اور تیسرے بڑے بجلی گھر ہیں۔

مٹی کا بنا ہوا سب سے بڑا ڈیم
تربیلا ڈیم

سب سے لمبا اور بڑا دریا
دریائے سندھ (Indus)۔ لمبائی 2880 کلومیٹر (1790 میل)

سب سے چھوٹا دریا
دریائے راوی۔ لمبائی 710 کلومیٹر

سب سے بڑی نہر
نہر لائیڈ بیراج

سب سے بڑا بیراج
سکھر بیراج سندھ۔ یہ دنیا کا بھی سب سے بڑا بیراج ہے۔

سب سے بڑی جھیل
منچھر جھیل، ضلع دادو سندھ۔ یہ براعظم ایشیا کی بھی سب سے بڑی جھیل ہے۔

سب سے بڑی مصنوعی جھیل
کینجھر جھیل سندھ (ٹھٹھہ سے 25 کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے) لمبائی 32 کلومیٹر، چوڑائی 10 کلومیٹر۔

سب سے خوبصورت جھیل
جھیل سیف الملوک، وادیٔ کاغان صوبہ سرحد

سب سے سرد مقام
زیارت (بلوچستان)۔ سکردو کو بھی سرد ترین مقام کہا جاتا ہے۔

سب سے زیادہ برفباری والا مقام
سکردو ضلع گلگت

سب سے گرم مقام
جیکب آباد سندھ۔ گرمیوں میں درجہ حرارت 128 فارن ہائٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ سبی بلوچستان میں بھی گرمیوں میں درجہ حرارت 128 فارن ہائٹ تک بڑھ جاتا ہے۔

سب سے زیادہ بارش والا مقام
مری ضلع راولپنڈی۔ اوسط سالانہ بارش تقریباً 1484 ملی میٹر (164 سنٹی میٹر)

سب سے زیادہ بارش والا ضلع
ضلع سیالکوٹ

سب سے بلند چوٹی
کے ٹو۔ سکردو، شمالی علاقہ جات، بلندی 28250 فٹ (8610 میٹر)۔ ماؤنٹ ایورسٹ (29028 فٹ) کے بعد یہ دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی ہے۔

سب سے بڑا پارک
ایوب نیشنل پارک راولپنڈی۔ رقبہ 2300 ایکڑ

سب سے بڑی بندرگاہ
کراچی

سب سے بڑی لائبریری
پنجاب پبلک لائبریری لاہور، پنجاب (افتتاح 1885ء)

سب سے بڑا عجائب گھر
لاہور کا عجائب گھر (آغاز 1887ء)

سب سے بڑی اور قدیم یونیورسٹی
پنجاب یونیورسٹی لاہور (آغاز 1882ء)

سب سے بڑی مسجد
شاہ فیصل مسجد اسلام آباد۔ رقبہ 47.87 ایکڑ۔ مسجد کے مرکزی ہال اور صحن میں ایک لاکھ افراد نماز ادا کر سکتے ہیں جبکہ مزید دو لاکھ افراد مسجد کے گرد و نواح میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مسجد میں عورتوں کے لئے الگ گیلری ہے جس میں 1500 خواتین کی گنجائش ہے۔ 24 جون 1988ء بروز جمعہ مسجد عام لوگوں کے لئے نماز کی ادائیگی کے لئے کھول دی گئی۔

سب سے بڑا ریڈیو سٹیشن
اسلام آباد ریڈیو سٹیشن (1000 کلوواٹ)

سب سے بلند مقام پر واقع ریڈیو سٹیشن
گلگت ریڈیو سٹیشن، شمالی علاقہ جات

سب سے بلند عمارت
حبیب بینک پلازہ کراچی۔ بلندی 345 فٹ۔ منزلیں 23

سب سے بلند درہ
درّہ مزتاغ شمالی علاقہ جات۔ بلندی 19030 فٹ

سب سے زیادہ اشاعت والا اردو اخبار
روزنامہ جنگ

سب سے زیادہ ملکوں میں جانے والا روزنامہ
روزنامہ الفضل ربوہ دنیا کے سب سے زیادہ یعنی 66 ملکوں میں جانے والا روزنامہ ہے۔ نیز مکمل اخبار کی شکل میں انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

برصغیر کے احمدیوں کا قیام پاکستان میں شاندار کردار

حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خان جیسی نابغہ روزگار ہستی کا خصوصی تذکرہ

پاکستان کے ایک کہنہ مشق مصنف کے عالی پایہ تاثرات

مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد مؤرخ احمدیت

آج سے کم وبیش سترہ سال پیشتر پاکستان کے ایک صاحب طرز معروف ادیب و محقق اور کہنہ مشق مصنف جناب جمیل الدین صاحب نے ''پاکستان میں مذہبی پیشوائیت'' کے عنوان سے ایک فکر انگیز اور معلومات سے لبریز قیمتی اور تحقیقی مقالہ سپرد قلم فرمایا جسے اکتوبر 1985ء میں صاحبزادہ پبلشرز کراچی نے خاص اہتمام سے ملک بھر میں شائع کیا اور ملکی لٹریچر میں اضافہ کا موجب بنا۔ روزنامہ ''الفضل'' کی اشاعت امروز میں اسی محققانہ پیشکش کے بعض نہایت اہم اقتباسات ھدیہ قارئین کرنا مقصود ہے۔ فاضل مؤلف نے اپنے مقالہ کے ابتدائی اوراق کو درج ذیل اردو اور فارسی شعروں سے مزین کیا ہے۔ یہ شعر مقالہ کے مرکزی موضوع کا دراصل پس منظر ہیں اور انتخاب لاجواب بھی۔

تا حد نظر شعلے ہی شعلے ہیں چمن میں
پھولوں کے نگہبان سے کچھ بھول ہوئی ہے
جس دور میں لٹ جائے فقیروں کی کمائی
اس دور کے سلطان سے کچھ بھول ہوئی ہے

جماعت احمدیہ اور تحریک پاکستان

جناب جمیل الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

''انگریزی ہفت روزہ "MAG" 29/اگست 1985ء کی اشاعت میں ایک مضمون نگار لکھتے ہیں:۔

''دولتانہ میکاولی سیاست پر چلنے والا انتہائی چالاک لیکن ناکام سیاستدان ہے۔ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان (مرحوم) کی شخصیت سے مرعوب۔ جس نے پنجاب اسمبلی کو اس مضمون کی قرارداد پاس کرنے کی ترغیب دی کہ چوہدری صاحب (مرحوم) کو وزارت خارجہ سے علیحدہ کیا جائے ...... میاں امیر الدین نے آغاز ہی میں دولتانہ کی اس سازش کو تاڑ لیا تھا کہ وہ قادیانی مسئلہ کو استعمال کر کے مرکز میں خواجہ ناظم الدین کے لئے مشکلات پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اخلاقی نقطہ نظر سے دولتانہ موقع شناس تھا نہ کامیاب۔ وہ ایک ایسا دانشور ہے جس نے بایں عقل ودانش کوئی تعمیری کام نہیں کیا''۔

باوجودیکہ احمدیوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا لیکن اس جماعت کے اس وقت کے امام صاحبزادہ ...... مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اپنی غیر معمولی فراست اور دانشمندی سے جماعت کو اس نہایت مشکل وقت میں بغیر کسی اہم نقصان کے نکال لیا۔ اگر اس جماعت کو ایسی قیادت نصیب نہ ہوتی تو عجب نہیں تھا کہ اس کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ...... مذکورہ جماعت پر ڈھائے جانے والے مظالم کی مزید تفصیل بتانے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ جماعت احمدیہ نے تحریک قیام پاکستان میں کیا کردار ادا کیا؟ کیونکہ میرے نزدیک پاکستان پر محبّ وطن پاکستانیوں کا بدرجہ اولیٰ استحقاق ہے۔ جماعت احمدیہ کے بانی مرزا غلام احمد ...... نے اپنے بھرپور سیاسی تدبر اور طبعی فہم وفراست سے اس بات کو بہت پہلے محسوس کر لیا تھا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں کوئی سماجی اشتراک نہیں۔ سیاسی، معاشی، معاشرتی، دینی غرض کوئی قدر بھی ان دونوں اقوام میں مشترک نہیں اس لئے ایسی قوم کی حکومت میں مسلمانوں کو ایک لمحے کے لئے بھی سکون نصیب نہیں ہو سکتا۔ ہندو قوم کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے جناب مرزا صاحب نے اپنی جماعت کو نصیحت فرمائی۔

''ان کے خیالات وحرکات سے ہمیں قطعی نفرت ہے۔ ہماری جماعت کو بالکل ان سے الگ رہنا چاہئے۔ تعجب کی بات ہے کہ جو قوم حیوان کو انسان پر ترجیح دیتی ہو اور ایک گائے کے ذبح سے انسان کا خون کر دینا کچھ بات نہ سمجھتی ہو وہ حاکم ہو کر کیا انصاف کرے گی''۔ (اخبار بدر 9 مئی 1907ء ص 5 کالم 3)

پھر مزید فرمایا:۔

''ہندوؤں سے بالکل جوڑ نہ رکھیں اگر انگریز آج یہاں سے نکل جاویں تو یہ ہندو مسلمانوں کی بوٹی بوٹی کر دیں''۔ (الحکم 10 جنوری 1908)

(اس شخص کا آج سے 78 سال قبل یہ کہنا اب بھارت میں مسلمانوں سے جو سلوک ہو رہا ہے اس پر مہر تصدیق ثبت کر رہا ہے)۔

مرزا صاحب کے انتقال کے بعد جماعت احمدیہ کے پہلے خلیفہ مولانا حکیم نور الدین کے چھ سالہ دور خلافت میں مسلم لیگ کی بھرپور حمایت بالخصوص جماعتی آرگن ''الحق'' میں بڑے شدومد کے ساتھ کی گئی۔ پہلے خلیفہ کی وفات 1914ء میں ہوئی۔ ان کے بعد مرزا صاحب کے بڑے صاحبزادے اور جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے بھی اپنے پیشروؤں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مسلمانوں کی بہبود کے لئے اپنی کوششوں کو جاری رکھا اور 1930ء میں پہلی گول میز کانفرنس کے موقع پر ایک نہایت اہم کتاب ''ہندوستان کے موجودہ سیاسی مسئلے کا حل'' لکھ کر عالمانہ اور مدلل انداز میں مسلمانوں کے حقوق کا ذکر کیا۔ اس بے نظیر کتاب کا فی الفور انگریزی زبان میں ترجمہ کرایا گیا اور فضائی ڈاک میں لندن روانہ کیا گیا۔ یہ کتاب اہل علم حلقوں میں بڑی قدر و منزلت سے دیکھی جاتی ہے۔ پھر انہوں نے قائد اعظم کو انگلستان سے واپس بلوانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ (1933ء میں ایک وقت ایسا بھی آیا جب قائد اعظم ہندوستانی سیاست سے مایوس ہو کر انگلستان میں مستقل بود وباش کے ارادے سے ہندوستان چھوڑ کر برطانیہ میں مقیم ہو گئے تھے) مرزا بشیر الدین نے پاکستان کے لئے زبانی ہی نہیں عملی طور پر بھی بیت المال کے خزانوں کو اس تحریک کی کامیابی کے لئے کھول دیا اور اپنی منظّم جماعت کو مسلم لیگ کی حمایت کے لئے وقف کر دیا۔ جماعت نے بھی کامل اطاعت کا وہ نمونہ دکھایا کہ ایک احمدی بھی ایسا نہیں تھا جس نے اپنے امام کی آواز پر لبیک نہ کہا ہو مرزا صاحب موصوف ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

''آئندہ انتخابات میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہئے تا کہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلاخوف تردید کانگرس سے کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ اگر ہم اور دوسری جماعتیں ایسا نہ کریں گی تو مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کمزور ہو جائے گی ...... پس میں اس اعلان کے ذریعہ تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی جگہ پورے زور اور قوت کے ساتھ آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ کی مدد کریں''۔

(تاریخ احمدیت جلد 10 ص 280)

مؤرخ احمدیت، نامور محقق اور معروف عالم دین مولانا دوست محمد صاحب شاہد اپنی معرکہ آراء تالیف ''تاریخ احمدیت'' جلد دہم میں فرماتے ہیں:۔

''محمد سرور صاحب دانی (مالگزار پردار ضلع رائے پور) کا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی خدمت میں شروع اکتوبر 1945ء میں ایک مکتوب پہنچا جس میں انہوں نے الیکشن کے بارہ میں راہنمائی کی درخواست کی تھی۔ حضرت مصلح موعود نے ان کو تحریر فرمایا کہ مسلم لیگ کی ہر ممکن طریق سے بھرپور مدد کریں۔ مسلمانوں کو موجودہ سیاسی بحران میں ایک متحدہ محاذ کی شدید ضرورت ہے۔ ناظر امور عامہ قادیان نے اس جوابی خط کو جو حضرت مصلح موعود کی طرف سے مسلم لیگ کے الیکشن کے سلسلہ میں اپنے مفصل مضمون کی اشاعت سے بھی قبل لکھا تھا مسلم لیگ کے صدر قائد اعظم محمد علی جناح کی خدمت میں بھجوا دیا۔ قائد اعظم نے اس جوابی خط کو اس درجہ اہمیت دی کہ اسے اپنی طرف سے پریس میں اشاعت کے لئے بھجوا دیا۔ چنانچہ یہ خط 8/اکتوبر 1945ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا کے حوالے سے ڈان دہلی میں شائع ہوا''۔ (پاکستان اور مذہبی پیشوائیت ص 67 تا 71)

پاکستان کے لئے سر محمد ظفر اللہ خان کی خدمات

جماعت احمدیہ نے اپنے مقدس امام کے ارشاد کی تعمیل میں کس طرح نئی مسلم مملکت کو نقشہ عالم پر عملی شکل دینے کی سرفروشانہ جدوجہد 46-1945ء کے مرکزی اور صوبائی انتخابات میں اس کی تفصیل ''تاریخ احمدیت'' جلد 10 میں شائع شدہ ہے۔ بہرکیف مؤلف کتاب مندرجہ بالا حقائق پر روشنی ڈالنے کے بعد پاکستان کے لئے سر محمد ظفر اللہ خان کی خدمات'' کے زیر عنوان رقم فرماتے ہیں:۔

ع
تو نے یہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

معروف صحافی جناب م۔ش لکھتے ہیں:۔

''پاکستان میں مذہبی اختلافات کے باعث چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی سیاسی شخصیت کا فی الحال کماحقہ تجزیہ کرنا ممکن نہیں۔ لیکن تاریخ ایک دن ان کے کردار پر فیصلہ کن فیصلہ صادر کر دے گی''۔

(روزنامہ نوائے وقت 17/اگست 1985ء ص 2)

جناب م۔ش اس مختصر سے جملے میں کچھ نہ کہہ سکنے کا اعتذار کرنے کے باوجود سب کچھ کہہ گئے ہیں۔ تھیو کریسی سے متاثر حکومتوں نے زبان و بیان پر جو سانپوں کے پہرے بٹھا رکھے ہیں۔ اس کی طرف ایک بلیغ اشارہ کر کے م۔ش تو آگے بڑھ گئے۔ لیکن حقائق سے چشم پوشی کہاں تک؟ کب تک چاند پہ خاک

پبلشر آغا سیف اللہ، پرنٹر سلطان احمد ڈوگر مطبع ضیاء الاسلام پریس مقام اشاعت دار النصر غربی چناب نگر (ربوہ) قیمت -/4 روپے

ڈالی جائے گی؟ جب سے پاکستان بنا ہے۔ اس محسن اعظم کی شخصیت کے اہم پہلوؤں کو عمداً چھپایا گیا ہے ...... قائداعظم کے سیاسی فرزند اور سب سے زیادہ باعتماد ساتھی سرظفراللہ خان سے ہمیشہ سوتیلی ماں کا سلوک کیا گیا ہے۔ قیام پاکستان سے قبل اور بعد جو انمول خدمات چوہدری صاحب مرحوم نے دیدہ ریزی، ژرف نگاہی اور محنت شاقہ سے ادا کیں، انصاف پسند مؤرخ ایک لمحے کے لئے بھی ان سے صرف نظر نہیں کرسکتا۔ میں سمجھتا ہوں حضرت قائداعظم کے بعد چوہدری محمد ظفراللہ خان ہی اپنی غیرمعمولی ذہانت، فطانت، لیاقت، فراست، عبقریت اور قابلیت کے اعتبار سے ملک کی ایسی شخصیت ہیں جن کی ملکی اور بین الاقوامی خدمات جلیلہ پر جس حد تک بھی ان کی پذیرائی کی جائے کم ہے۔ یہ وہی شخص ہے جس نے پہلی بار اقوام متحدہ کے اجلاسوں میں اللہ اور اس کے رسول کا نام بلند کیا اور کردار ایسا محکم کہ ملکہ برطانیہ سے ہاتھ ملانے سے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ میرا دین عورت سے ہاتھ ملانے کی اجازت نہیں دیتا۔ دوسری طرف دن رات اسلام کا نام لینے والے ہمارے موجودہ سربراہ مملکت کا کردار دیکھئے۔ دورہ پر برما گئے اور مقامی بت پرستوں کے مذہب کے مطابق مورتیوں کے آگے پھولوں کی پتیاں نچھاور کر آئے۔ اسلام بت شکنی کا درس دیتا ہے بت پرستی کا نہیں۔

جب سرسٹیفورڈ کرپس نے ہندوستان آکر تقسیم ہند کا ایک جدید اور ناقابل عمل فارمولا پیش کیا تو اس کی غیرمعقولیت کے سبب مسلم لیگ اور کانگرس دونوں نے اسے مسترد کردیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کی آزادی خواب ہوکر رہ گئی۔ حتیٰ کہ مسلم قائدین تک مایوسی کا شکار ہوکر رہ گئے۔ ان دنوں سرمحمد ظفراللہ خان فیڈرل کورٹ آف انڈیا کے جج تھے۔ کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس میں جو ہندوستانی وفد انگلستان گیا آپ اس کی قیادت کررہے تھے۔ باوجودیکہ آپ ایک سرکاری نمائندے کی حیثیت سے گئے تھے۔ لیکن آپ نے نہایت جوانمردی کے ساتھ برطانوی حکومت کے سامنے ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ پیش کیا۔ آپ نے حقائق ایسے پُرجوش انداز میں پیش کئے کہ ایوان حکومت میں زلزلہ آگیا اور دنیا بھر میں تہلکہ مچ گیا۔ چوہدری صاحب کی پُرشوکت اور فکرانگیز تقاریر کا فوری اثر یہ ہوا کہ برٹش گورنمنٹ نے لارڈ ویول وائسرائے ہند کو انتقال اقتدار کا جدید فارمولا بنانے کے لئے لندن طلب کرلیا۔ برٹش پرائم منسٹر چرچل، لارڈ ویول اور کابینہ کے دیگر ممبران نے باہمی مشورہ اور غوروخوض کے بعد جو فیصلہ کیا اس کے مطابق 5 جون 1945ء کو وائسرائے ہند نئی تجاویز لے کر ہندوستان پہنچ گئے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اس ساری مثبت جدوجہد کا سہرا پاکستانی قوم کے محسن اعظم سرمحمد ظفراللہ خان کے سر ہے۔ چوہدری صاحب کی انہی غیرمعمولی صلاحیتوں کا عملی رنگ میں اعتراف کرتے ہوئے حضرت قائداعظم نے ان کا پنجاب باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کی طرف سے بطور وکیل تقرر کیا۔ اس وقت چوہدری صاحب نواب صاحب بھوپال کے حکم کے مطابق انگلستان جارہے تھے۔ لیکن آپ نے اس معاملے میں بھرپور عملی تعاون کا یقین دلایا۔ قائداعظم سے ملاقات کے بعد آپ نے باؤنڈری کمیشن کے سلسلے میں مسلم لیگی کارکنوں کو نہایت قیمتی ہدایات دیں۔ 24 جون کو آپ انگلستان روانہ ہوگئے۔ 11 جولائی کو انگلستان سے عازم ہندوستان ہوئے۔ 13 جولائی کو لاہور پہنچ گئے۔ 14 جولائی کو آپ ریڈکلف کمیشن کے سامنے پیش ہوئے۔ پروگرام یہ طے ہوا کہ 18 جولائی تک فریقین اپنے اپنے تحریری بیانات داخل کردیں گے۔ 21 جولائی کو کمیشن وکلاء کی بحث کی سماعت کرے گا۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگایئے کہ وقت کس قدر محدود اور کام کتنا لامحدود تھا۔

آپ چونکہ راسخ العقیدہ احمدی تھے اس لئے دعا کی اہمیت اور برکات پر آپ کا بہت زیادہ ایمان اور ایقان تھا۔ آپ نے بارگاہ الٰہی کے حضور عاجزانہ و مضطربانہ دعا کی اور اسی محدودترین وقت میں شبانہ روز محنت اور ودیعتی لیاقت سے کماحقہٗ فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ کیس تیار کیا۔ باوجودیکہ ریڈکلف کی بددیانتی مکشوف ہوگئی تھی۔ آپ تیاری میں مصروف رہے۔ 21 سے 24 جولائی کے دن ہندو فریق کی بحث اور مسلم وکیل کی طرف سے پیش کئے جانے والے اعتراضات میں گزرے۔ اس دوران میں مسلم لیگ کی طرف سے ہدایت مل چکی تھی کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے الگ طور پر بھی محضرنامہ پیش کیا جائے تاکہ قادیان پاکستان میں شامل ہوسکے۔ کیونکہ گانگرس نے بھی سکھوں اور اچھوتوں کو الگ محضرنامے پیش کرنے کا کہا تھا۔ چنانچہ 18 جولائی کو باؤنڈری کمیشن کے سامنے محضرنامہ پیش کیا گیا۔ اس کیس میں جماعت احمدیہ کے نمائندہ شیخ بشیر احمد صاحب بیرسٹر نے سرمحمد ظفراللہ خان کی معاونت سے 25 اور 26 جولائی کو جماعت احمدیہ کی طرف سے نہایت معقولانہ انداز میں قابلیت اور عمدگی سے بحث کی۔ اس کے بعد چوہدری صاحب نے 27 تا 31 جولائی مسلم لیگ کی طرف سے کمال ذہانت اور کامیابی کے ساتھ بحث میں حصہ لیا۔ ہندو ضلع گورداسپور کو سازش کے ذریعے ہندوستان میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ غلط اعدادوشمار بتا کر اور 1931ء کی مردم شماری کو بنیاد بنا کر مسلمانوں کی بالغ آبادی کو کم تعداد میں ظاہر کیا۔ اس سلسلہ میں خلیفہ ثانی کے صاحبزادے مرزا ناصر احمد (ایم اے آکسن) نے دن رات ایک کرکے صحیح اعدادوشمار پیش کئے تو ہندو جو اپنے آپ کو حساب کتاب میں بڑا ماہر سمجھتے تھے، ورطہ حیرت میں ڈوب گئے۔ اس بحث میں امام جماعت احمدیہ بنفس نفیس موجود رہے اور اپنے خرچ پر انگلستان اور امریکہ سے اس کیس کی تیاری کے لئے گرانقدر کتب منگوائیں اور ایک ماہر پروفیسر اور ممتاز جغرافیہ دان ڈاکٹر اوسکر اسپیٹ کے سپیٹ کو ہندوستان بلوا کر ان کی خدمات حاصل کیں۔

حیرت کی بات ہے قیام پاکستان کے واقعہ کو ابھی پانچ سات سو یا ہزار سال نہیں گزرے ابھی اس تحریک میں حصہ لینے والے سب لوگ مرنہیں گئے، تاریخی دستاویزات ابھی ضائع نہیں ہوئیں۔ اس وقت کے اخبارات، کتابیں، رسائل اور باقی ریکارڈ ابھی تلف نہیں ہوئے لیکن تاریخی حقائق کو کس طرح مسخ کرنے کی گہری سازش ہورہی ہے بہت سے لوگ اپنی سادگی طبع کی وجہ سے اس سارے قصے سے ناواقف ہیں۔ انہیں یہ خبر ہی نہیں کہ کیسے مذہب کی آڑ میں انہیں استعمال کیا جارہا ہے''۔

(پاکستان اور مذہبی پیشوائیت ص 71 تا 76)

دردبھرے الفاظ میں ایک حقیقت کا اظہار

اس سلسلہ میں بالغ نظر مؤلف کتاب نے مخالف پاکستان حلقوں کی بعض مغالطہ آفرینیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے دردبھرے دل کے ساتھ لکھا ہے کہ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

اصل حقائق سے ان کا موازنہ کیجئے اور اس دجل اور فریب پر ماتم کیجئے ایک واضح تاریخی حقیقت کو کس طرح مسخ کیا گیا اور انصاف کا خون کیا گیا ہے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

(پاکستان اور مذہبی پیشوائیت ص 76)

باؤنڈری کمیشن میں ملت کی ترجمانی کا معرکہ

اس افسوسناک سانحہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد موصوف نے ایک جذبہ ملی اور ولولہ ذوق وشوق سے سرشار ہوکر پاکستان کی اصل تاریخ کو کمال خوبی سے بےنقاب کیا ہے۔ چنانچہ قافلہ پاکستان کے اس مایہ ناز بطل حریت کی خدمات جلیلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

''سرمحمد ظفراللہ خان نے جس محنت سے یہ کیس تیار کیا۔ اس پر میری طرف سے مزید کچھ کہا جانا تحصیل حاصل ہے۔ محترم چوہدری صاحب اپنی مقبول عام تصنیف ''تحدیث نعمت'' میں خود رقم طراز ہیں۔

''میں بحث کے سلسلے میں ابھی لاہور ہی میں تھا کہ مجھے قائداعظم کا پیغام ملا کہ کمیشن سے فارغ ہونے کے بعد میں ان کی خدمت میں حاضر ہوکر بھوپال جاؤں۔ انہوں نے کمال شفقت سے شام کے کھانے کی دعوت دی۔ حاضر ہونے پر معانقے کا شرف بخشا اور فرمایا میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہارا ممنون ہوں کہ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا تھا تم نے اسے اعلیٰ قابلیت سے اور نہایت احسن طریق سے سرانجام دیا''۔

(تحدیث نعمت ص 522)

امریکہ میں پاکستان کے سفیر جناب حسن اصفہانی نے جب قائداعظم کو لکھا کہ جنرل اسمبلی کے سیشن کے دوران نیویارک میں سرظفراللہ خان کی موجودگی انتہائی ضروری ہے تو قائداعظم نے جو جواب 22/اکتوبر 1947ء کو جناب اصفہانی کو لکھا وہ بنظر غائر پڑھے جانے کے قابل ہے۔

''جہاں تک ظفراللہ کا تعلق ہے ہم یہ نہیں چاہتے کہ وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ دے اور جب تک اس کی ضرورت ہے اسے وہاں رہنا چاہئے اور میرا خیال ہے اسے یہ بات پہلے سے بتادی گئی ہے لیکن ہمارے پاس قابل آدمیوں کی بڑی کمی ہے اور خصوصاً اس جیسی قابلیت کے لوگوں کی اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی ہمیں یہاں مختلف مسائل حل کرنے ہوتے ہیں تو لامحالہ ہماری نظریں اسی کی طرف اٹھتی ہیں''۔

(پاکستان ٹائمز 13 فروری 1982ء ص 5,4)

باؤنڈری کمیشن کے اختتام پر آپ کو جناب حمید نظامی نے ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔

''کوئی چار دن سرمحمد ظفراللہ خان صاحب نے مسلمانوں کی طرف سے نہایت مدلل، نہایت فاضلانہ اور نہایت معقول بحث کی۔ کامیابی بخشنا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جس خوبی اور قابلیت کے ساتھ سرمحمد ظفراللہ خان صاحب نے مسلمانوں کا کیس پیش کیا اس سے مسلمانوں کو اتنا اطمینان ضرور ہوگیا کہ ان کی طرف سے حق وانصاف کی بات نہایت مناسب اور احسن طریقہ سے ارباب اختیار تک پہنچا دی گئی ہے۔ سرظفراللہ خان صاحب کو کیس کی تیاری کے لئے بہت کم وقت ملا۔ مگر اپنے خلوص اور قابلیت کے باعث انہوں نے اپنا فرض بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ پنجاب کے سارے مسلمان بلالحاظ عقیدہ ان کے اس کام کے معترف اور شکرگزار ہوں گے''۔

(روزنامہ نوائے وقت یکم اگست 1947ء)

پھر مزید لکھا:۔

''جب قائداعظم نے یہ چاہا کہ آپ پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں تو ظفراللہ خان نے فوراً یہ خدمت سرانجام دینے کی ہامی بھرلی ...... اور اسے ایسی قابلیت سے سرانجام دیا کہ قائداعظم نے خوش ہوکر آپ کو یواین او میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کردیا۔ جس طرح آپ نے ملت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام پاکستان کے قابل احترام خادموں میں شامل ہوچکا تھا۔ آپ نے ملک وملت کی شاندار خدمات سرانجام دیں تو قائداعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدے پر فائز کرنے پر تیار ہوگئے جو باعتبار منصب وزیراعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا ہے''۔

(نوائے وقت 24/اگست 1948ء)

ریڈکلف ایوارڈ میں مسلمانوں کی جانب سے اہم رکن جناب جسٹس محمد منیر تحریر فرماتے ہیں:۔

''عدالت ہذا کا صدر جو اس (باؤنڈری) کمیشن کا ممبر تھا۔ اس بہادرانہ جدوجہد پر تشکر وامتنان کا اظہار

کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفر اللہ خان صاحب نے گورداسپور کے معاملہ میں کی تھی۔ یہ حقیقت باؤنڈری کمیشن کے کاغذات میں ظاہر و باہر ہے اور جس شخص کو اس مسئلہ سے دلچسپی ہو وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کرسکتا ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خان نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں۔ ان کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالتی تحقیقات میں ان کا ذکر جس انداز میں کیا وہ قابل شرم ناشکرے پن کا ثبوت ہے''۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت ص209)

جناب احمد سلمان نیر کا ایک معلوماتی مضمون ''بابائے قوم۔ کردار اور شخصیت'' کے نام سے حال ہی میں شائع ہوا ہے فاضل مضمون نگار ''قائداعظم کے آخری دستخط'' کے ذیلی عنوان سے لکھتے ہیں:۔

''فرخ امین صاحب قائد کے بہت نزدیک رہے۔ اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں کہ قائداعظم اپنی آخری بیماری کے زمانے میں بھی سرکاری امور پر توجہ رکھتے۔ جب تک ان میں ممکنہ سکت رہی۔ تمام کاغذات فائلیں منگواتے۔ عموماً ہم کوشش کرتے کہ انتہائی ضروری کاغذات ان تک پہنچائے جائیں۔ اس کے باوجود وہ کام کرنے پر مصر رہتے تھے۔ مجھے وہ دن ہمیشہ یاد رہے گا جب انہوں نے یو این او میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لئے سر ظفر اللہ خان کو پورے اختیارات دینے کے لئے آخری سرکاری کاغذ پر دستخط کئے''۔ (روزنامہ جنگ 14 اگست 1985ء)

بانئ پاکستان حضرت قائداعظم کو اپنے اس ساتھی پر کس قدر اعتماد تھا اس کا صحیح اندازہ مذکورہ حوالے سے ہوتا ہے کہ اپنی زندگی میں جو آخری دستخط کئے وہ چوہدری صاحب کے تقررنامے پر تھے جو مرحوم پہ ان کے کامل یقین کا ثبوت ہیں۔ قوم کا درد رکھنے والے اس قابل انسان اور جری سپوت پر ہمیں فخر ہے۔ ایسی نابغۂ روزگار ہستیاں روز روز پیدا نہیں ہوتیں یہ لوگ قدر کئے جانے کے لائق ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ غیر معمولی وہبی اور کسبی صلاحیتوں کا لطیف امتزاج ہوتے ہیں۔ انسانیت کی فلاح کا مقصد ان کا نصب العین ہوتا ہے۔ یقیناً ان کی عظمت کو سلام کیا جانا چاہئے۔

مت سہل ہمیں سمجھو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

(پاکستان اور مذہبی پیشوائیت ص77 تا 80)

ناقابل فراموش اور سنہری کارناموں پر ایک اجمالی نظر

اس موقع پر یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ جناب جمیل الدین صاحب نے متن کتاب کے علاوہ حواشی میں بھی حضرت چوہدری صاحب کے کارہائے نمایاں کی طرف بلیغ اشارہ فرمایا۔ جس سے ان کے تبحر علمی، حب الوطنی روشن خیالی اور ذوق تحقیق اور تفحص کا صاف پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

''چوہدری صاحب نے عرب، فلسطین اور کشمیر وغیرہ مسائل کو بین الاقوامی سطح پر سلجھانے میں جو غیر معمولی کارہائے نمایاں انجام دیئے، ان سے پاکستان کا نام کس قدر روشن ہوا اور غیر ملکوں میں پاکستان کی عزت اور توقیر میں کس درجہ اضافہ ہوا۔ عبداللطیف سیٹھی کے حوالے سے صرف ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔

''چوہدری صاحب کی علمیت، قابلیت اور زیرکی کا لوہا اسلامی اور عرب دنیا کے علاوہ متمدن دنیا نے بھی مانا۔ بہت سے عرب تو اب تک پاکستان کو ظفر اللہ خان کی سرزمین سمجھتے ہیں۔ راقم الحروف کے بھائی صاحب تجارت کے لئے عرب دنیا کا سفر کر رہے تھے۔ جورڈن کو جانے والی بس کے اڈے پر کھڑے تھے۔ بھیڑ زیادہ تھی۔ گرمی کی شدت تھی لیکن کسی نے بس والوں سے کہہ دیا کہ یہ مسافر پاکستانی ہے۔ پاکستان کا نام سنتے ہی بس والے نے بس روک لی۔ اس میں خواتین بھی سوار تھیں وہ اٹھ کر آداب بجالائیں اور کہا کہ آپ ظفر اللہ کے ملک سے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر بس کے مسافر اس قدر عزت و احترام سے پیش آئے کہ وہ حیران رہ گئے''۔

(نوائے وقت 24 ستمبر 1985ء)

(پاکستان اور مذہبی پیشوائیت حاشیہ ص73,72)

سر محمد ظفر اللہ خان واحد شخصیت ہیں جنہیں قائداعظم معانقے کا شرف بخشا کرتے تھے اور یہ عجیب تاریخی حقیقت ہے کہ اس اعزاز میں کوئی اور شریک نہیں اس حیران کن صداقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جناب سید افضل حیدر لکھتے ہیں:۔

''چوہدری صاحب کو یہ خصوصی اعزاز حاصل تھا کہ وہ جب بھی سفارتی فرائض کے بعد پاکستان لوٹتے اور قائداعظم کے پاس حاضری دیتے تو قائداعظم ان کے ساتھ معانقہ فرماتے۔ یہ اعزاز کسی اور شخص کو نہیں ملا''۔ (روزنامہ جنگ 3 ستمبر 1985ء)

(پاکستان اور مذہبی پیشوائیت ص77)

پُرشوکت اختتامیہ

مستند تاریخی حقائق پر مبنی اس گرانقدر اور معلومات افروز مقالہ کا اختتام درج ذیل الفاظ میں ہوتا ہے۔

''پاکستان ہماری منزل نہیں بلکہ نشان منزل ہے۔ میرا ارادہ تھا اس ''آخری نعمت'' کے فلسفے پر مفصل اظہار خیال کروں گا لیکن جب میری نگاہ صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کے اس مضمون پر پڑی جو قیام پاکستان کے موقع پر پیغام کی صورت میں انہوں نے اپنی جماعت کے سامنے پڑھا تھا تو میں نے یہ قصد ترک کر دیا۔ **کیونکہ اس موضوع پر مرزا صاحب سے بہتر اسلوب میں اظہار خیال ناممکن ہے۔ اس مضمون کے الفاظ کی جامعیت، شوکت اور سحر کو اگر ان کی جماعت کے ساتھ خاص کرلیا جائے تو باقی پاکستانی قوم سے سخت ناانصافی ہوگی۔** قارئین کے فائدے کے لئے ذیل میں اس مضمون کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

''پاکستان کا مسلمانوں کو مل جانا اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سانس لینے کا موقعہ میسر آگیا ہے اور وہ آزادی کے ساتھ ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اب ان کے سامنے ترقی کے اتنے غیر محدود ذرائع ہیں کہ اگر وہ ان کو اختیار کریں تو دنیا کی کوئی قوم ان کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی ...... جہاں روس اور امریکہ فیل ہوا صرف مکہ اور مدینہ ہی انشاء اللہ کامیاب ہوں گے''۔ روزنامہ الفضل 23 مارچ 1956ء ص8,7)

بطحا کی وادیوں سے جو نکلا تھا آفتاب
بڑھتا رہے وہ نور نبوت خدا کرے
قائم ہو پھر سے حکم محمد جہان میں
ضائع نہ ہو تمہاری یہ محنت خدا کرے

(کلام محمود)

اللہ کا احسان

دیس ہے پاکستان ہمارا دیس ہے پاکستان

پاک وطن کے رہنے والے سب ہیں بھائی بھائی
ہم اس گھر کے رکھوالے ہیں اس گھر کے شیدائی
پنجابی ہوں بلوچی ہوں، سندھی یا افغان

دیس ہے پاکستان ہمارا دیس ہے پاکستان

ایک ہی امت ایک ہی ملت ایک ہماری ذات
ایک خدا کے ماننے والے ایک ہماری بات
ایک نبی کے پروانے ہیں ایک ہماری جان

دیس ہے پاکستان ہمارا دیس ہے پاکستان

ہم نے اپنی خاک میں کھو کر پایا یہ انعام
کون بھلا جھٹلا سکتا ہے پاک وطن کا نام
پاک وطن ہے اخترؔ ہم پر اللہ کا احسان

دیس ہے پاکستان ہمارا دیس ہے پاکستان

عبدالسلام اخترؔ

تحریک پاکستان کے اہم اور تاریخی مراحل پر حضرت مصلح موعود کی کوششیں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں

قیام پاکستان میں جماعت احمدیہ کی بے لوث خدمت اور عظیم کردار

حضرت مصلح موعود کی ہدایت پر مولانا درد صاحب نے قائداعظم کو برطانیہ سے واپس ہندوستان آنے پر مجبور کیا

مکرم پروفیسر راجا نصراللہ خان صاحب

تحریک آزادی کا سفر اور حصول پاکستان کی جدوجہد ایک طویل سفر اور عمل پیہم تھا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس طویل جدوجہد میں جماعت احمدیہ نے اپنے برگزیدہ اور اولوالعزم امام حضرت مصلح موعود کی سرکردگی میں بے لوث اور نمایاں حصہ لیا۔ تحریک آزادی کا زمانہ اور مرحلہ قائداعظم اور مسلم لیگ کے لئے ایک کٹھن دور تھا اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانان برصغیر اور ان کے لیڈروں کو نہ صرف انگریز حکمرانوں اور ہندو دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا بلکہ بدقسمتی سے بہت سی دینی جماعتوں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ لہٰذا تاریخ آزادی کی گواہی کی روشنی میں یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ غیر منقسم ہندوستان کی تمام جماعتوں میں سے جماعت احمدیہ نے بحیثیت جماعت تحریک آزادی و قیام پاکستان کی جدوجہد میں بھرپور، نمایاں اور مکمل طور پر بے مثال کردار ادا کیا۔

اہم مراحل پر حضرت مصلح موعود کا مرکزی کردار

تحریک پاکستان کے حوالے سے اب چند ایسے مراحل کا ذکر کرتے ہیں جنہیں شاہراہ آزادی کے اہم ترین موڑ کہا جاسکتا ہے اور اس جادہ میں حضرت مصلح موعود اور جماعت احمدیہ کی دور رس کاوشیں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح جو مسلمانوں کے عظیم لیڈر تھے وہ ابھی مسٹر جناح کے نام سے ہی جانے جاتے تھے لیکن حضرت مصلح موعود نے ان کی سیاسی بصیرت اور بااصول سیاست کو بھانپ لیا تھا۔ اس لئے حضور نے قائداعظم کی مسلمانوں کے حق میں مفید پالیسیوں کی ہمیشہ حمایت کی اور انہیں تقویت دی اور جہاں جہاں مسلم لیگ کو مدد اور سوچ بچار کی ضرورت تھی۔ حضرت مصلح موعود اور جماعت احمدیہ نے ہر مرحلے پر بے لوث تعاون اور مدد کی۔ آزادی کے اتنے لمبے سفر اور جماعت کی ان گنت مساعی میں سے چند خاص مواقع کا ذکر کیا جاتا ہے جو آگے چل کر قیام پاکستان کے ضمن میں فیصلہ کن ثابت ہوئے۔

اتحاد کی بنیاد مہیا کرنا

1924ء میں حضور نے مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور (23 مئی 1924ء) کے لئے ایک زبردست مضمون ''اساس الاتحاد'' تحریر فرمایا جس میں اس مسئلہ کو بھی واضح فرمایا کہ تمام مسلمان فرقے کس طرح ایک جھنڈے تلے جمع ہو سکتے ہیں تاکہ سیاسی اور عددی لحاظ سے مسلم لیگ کو مضبوط بنایا جائے۔ حضرت مصلح موعود نے اپنے مضمون ''اساس الاتحاد'' کے شروع میں فرمایا۔ ''آپ لوگ اس وقت مسلم لیگ کے اجلاس کے لئے جمع ہوئے ہیں اور آپ کے سر پر قومی مفاد کی نگہبانی کے اہم فرض کا بوجھ صبر آزما طور پر رکھا ہوا ہے۔ آپ کی غلطی کروڑوں مسلمانوں کی ٹھوکر کا موجب اور آپ کا صحیح رائے قائم کرنا کروڑوں کی ہدایت اور آرام کا موجب ہوسکتا ہے...... ہمارے دل مسلمانوں کی تکالیف کو دیکھ کر زخمی ہیں اور ان کی مشکلات کو معائنہ کرکے خون کے آنسو بہاتے ہیں''۔

(انوار العلوم جلد 8 ص 85)

وطن عزیز مشترکہ جدوجہد کا نتیجہ

یہ حقیقت کہ برصغیر کے سب مومنوں نے مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے مل کر آزاد وطن کے لئے جدوجہد کی ایک مسلمہ امر ہے۔ چند حوالے ملاحظہ فرمائیے۔

(الف) اداریہ نوائے وقت بعنوان **فرقہ واریت۔ ملک دشمنی۔** اس وقت وطن عزیز میں فرقہ وارانہ منافرت اور تعصّبات کی جو کیفیت نظر آتی ہے۔ اگر خدانخواستہ 1946ء میں برصغیر کے مسلمان شیعہ، سنی اور دیوبندی، بریلوی کے طور پر سوچتے اور انہی اختلافات کی بناء پر سیاست کرتے تو یقینی بات ہے کہ قیام پاکستان کا کارنامہ انجام نہیں دے سکتے تھے۔ اس وقت ہم سب مسلمان تھے اور ایک علیحدہ وطن کے لئے کوشاں تھے''۔ (اداریہ ''نوائے وقت'' 13 مئی 1990ء)

(ب) پروفیسر محمد اکرم صاحب اپنے مضمون بعنوان ''اندرونی استحکام کے تقاضے'' مطبوعہ ''نوائے وقت'' مورخہ 26/اگست 2001ء میں تحریر کرتے ہیں:۔

''آج ہمارا معاشرہ جس مذہبی دہشت گردی اور تخریب کاری کا شکار ہے اور مذہبی فرقوں کے درمیان جو چپقلش جاری ہے اگر تحریک پاکستان کے دوران برصغیر کے مسلمان اس گروہ بندی اور مذہبی منافرت کا شکار ہوجاتے تو یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ پاکستان کا قیام اور اس آزاد اور خود مختار ریاست کا معرض وجود میں آنا ہرگز ممکن نہ ہوتا۔ برصغیر کے مسلمانوں کا یہ مثالی اتحاد اور جذبہ یکجہتی ہی تھا جس نے پاکستان کے قیام کو ممکن کر دکھایا اور وہ نظریہ پاکستان کے مخالفین کے سامنے سد سکندری بن کر ڈٹ گئے''۔

(نوائے وقت مورخہ 26/اگست 2001ء)

(ج) نوائے وقت کے ایک معروف مضمون نگار بہادر حسین ڈار صاحب اپنے مضمون ''اتحاد امت۔ بقائے پاکستان'' مطبوعہ نوائے وقت مورخہ 10 اپریل 2000ء میں واضح کرتے ہیں:۔

تحریک پاکستان میں اس علاقہ کے مسلمانوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دے کر فرقہ واریت کے لئے کام کرنے والوں کو مایوس کر دیا تھا...... گویا فرقہ واریت درحقیقت پاکستان کے خلاف ایک ایسی سازش تھی جو اگر کامیاب ہوجاتی تو پاکستان کبھی معرض وجود میں نہ آسکتا تھا۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان کا معرض وجود میں آنا ہی گویا فرقہ واریت کی نفی کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس طرح پاکستان کے وجود پذیر ہونے کے لئے فرقہ واریت تباہ کن تھی اسی طرح یہ پاکستان کی بقاء کے لئے بھی زہر قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ جو عناصر اس وقت یہ زہر پھیلانے میں ناکام ہوکر پاکستان کو معرض وجود میں آنے سے نہ روک سکے۔ یقیناً ان کی یہ خواہش رہی کہ وہ فرقہ واریت کی مسموم فضا پیدا کرکے پاکستان کو نیست و نابود کردیں اور جو کام وہ اس وقت کے آقاؤں کے اشارے پر سرانجام نہ دے سکے تھے اسے اب انجام دے کر اپنے مذموم اور شکست خوردہ عزائم کی تکمیل کرلیں۔ چنانچہ ان مذموم مقاصد کو پورا کرنے کا عمل آج کے دور میں وطن عزیز میں زوروں پر ہے۔ (نوائے وقت، 10/اپریل 2000ء)

جداگانہ انتخابات سیاسی قوت کا ذریعہ

1927ء میں قائداعظم کی صدارت میں مختلف مسلم جماعتوں کا ایک اہم اجلاس شملہ کے مقام پر ہوا۔ حضرت مصلح موعود کو بھی شمولیت کی دعوت دی گئی تھی۔ حضور نے اس موقع پر جداگانہ انتخاب کے حق میں زبردست تقریر فرمائی کیونکہ اس وقت ہندوستان میں دو الگ الگ قومیں ہندو اور مسلمان موجود تھے۔ ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ تھی اگر مخلوط انتخاب ہوتے تو ہندو مسلمانوں کو بری طرح شکست دیتے۔ حضور کی تقریر اتنی مؤثر تھی کہ جداگانہ انتخابات کے حق میں فیصلہ ہوگیا۔ حالانکہ اس سے قبل بہت سے مسلم لیگی زعماء مخلوط انتخابات کے قائل تھے۔ جداگانہ انتخابات کے اصول سے مسلمانان ہند کی سیاسی قوت میں زبردست اضافہ ہوا۔ علاوہ ازیں 1928ء میں حضور نے مسلمانوں کے حقوق کو پامال کرنے والی ''نہرو رپورٹ'' کا جواب تحریر فرمایا (کتاب کا نام: مسلمانوں کے حقوق اور نہرو رپورٹ، دوسرا نام: نہرو رپورٹ اور مسلمانوں کے مصالح) اور اس میں اس بات پر بھی زور دیا کہ حکومت فیڈرل طرز کی ہو تاکہ ہندو اپنی اکثریت کی وجہ سے مرکزی حکومت کے بل بوتے پر صوبائی حکومتوں میں مسلمانوں کے حقوق نہ دبا سکیں۔ نیز حضور نے شملہ کانفرنس میں پہلے کی طرح اب بھی زور دیا کہ جداگانہ انتخاب کا طریق اختیار کیا جائے تاکہ مسلمانوں کے نمائندے بھی اپنی اکثریت کے علاقوں میں کامیاب ہوسکیں۔ اس طرح حضور نے مسلمانوں کی سیاسی قوت کو باوزن اور مؤثر بنانے کی راہ سجھائی۔ یہ دوسرا بڑا مرحلہ تھا جہاں حضرت مصلح موعود نے مسلم لیگ اور اس کے زعماء کی خاص رہنمائی فرمائی جس کا تحریک آزادی پر بہت اچھا اثر پڑا۔

حضور نے نہرو رپورٹ کے جواب میں یہ بھی فرمایا:

(الف) ''ہندوؤں کی اس ملک میں کثرت ہے۔ مرکزی حکومت میں ان کی کثرت ہی رہے گی۔ باقی رہے صوبہ جات ان میں بھی جو صوبے ہندو اکثریت والے ہیں۔ ان میں ہندوؤں کی کثرت رہے گی اور جو مسلمان اکثریت والے ہیں ان میں مسلمانوں کی اکثریت رہے گی۔ پس اس انتظام میں نہ ہندوؤں کا کوئی نقصان ہے اور نہ کسی قوم کا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس مطالبہ کے پورا کرنے میں کسی کی حق تلفی ہوتی ہے اور یہ مطالبہ مسلمانوں کا کسی رعایت کا مطالبہ نہیں ہے بلکہ بغیر کسی رعایت اپنے حق کی حفاظت کا مطالبہ ہے اور اگر ہندو انہیں ایسے حقوق بھی دینے کے لئے تیار نہیں جن میں انہیں کوئی قربانی نہیں کرنی پڑتی۔ صرف اقلیتوں کی حفاظت ہوتی ہے تو انہیں یہ امید نہیں رکھنی چاہئے کہ اقلیتیں ان کے ساتھ مل جائیں گی''۔ (انوار العلوم جلد 10 ص 419)

(ب) حضرت مصلح موعود اس مسئلہ کو یوں حل فرماتے ہیں:۔

''میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ جداگانہ انتخابات، اصول انتخابات کے بالکل خلاف نہیں ہے اور صرف یہ کہہ دینا کہ یورپ میں اس پر عمل نہیں ہوتا اس لئے یہ طریق ہی صحیح نہیں، کوئی دلیل نہیں۔ جس ملک میں ایسی اقوام بستی ہوں کہ جو اپنی جداگانہ تہذیب اور جداگانہ مذہب رکھتی ہوں اور ان کے درمیان ایک لمبے عرصہ سے جھگڑے اور مناقشے ہوں، ان کے متعلق کوئی نہ کوئی احتیاط کرنی ضروری ہوگی ورنہ چھوٹی قوم کی تباہی یقینی ہوجائے گی اور اس کی ذمہ داری اکثریت پر ہی ہوگی۔ کیونکہ ایسے جھگڑوں کے موقعوں پر اکثریت ہی کے بس میں ہوتا ہے کہ وہ اقلیت کو اطمینان دلائے۔ پس حق تو یہ تھا کہ خود ہندو صاحبان مسلمانوں سے کہتے کہ آپ کو اطمینان دلانے کا طریق

یہ ہے کہ آپ اپنے نمائندے الگ منتخب کریں اور ہم اپنے نمائندے الگ منتخب کریں گے۔لیکن تعجب ہے کہ وہ مسلمانوں کے علاج پیش کرنے پر بھی اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں''۔
(انوارالعلوم جلد 10 ص 467)

قائداعظم کی واپسی کے لئے مخلصانہ تگ ودو

حضرت امام جماعت احمدیہ نے مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کے اتحاد کے لئے نہ صرف ایک مضبوط بنیاد واضح فرمائی جس سے انہیں مسلم لیگ کی قیادت میں مل کر جدوجہد کرنے کا موقع فراہم ہوا بلکہ جداگانہ انتخابات اور فیڈرل سسٹم پر زور دینے سے ان کے لئے اسمبلیوں میں نشستیں حاصل کرنا بھی آسان ہوگیا۔اب ایک اور تاریخی اہم خدمت کا ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت مصلح موعود نے قائداعظم محمد علی جناح کی ہندوستان واپسی کے لئے بھرپور اور کامیاب کوشش فرمائی۔ وہ اس طرح کہ 1930ء کے قریب قائداعظم جو ابھی مسٹر جناح کہلاتے تھے اور ہندومسلم اتحاد کے سرگرم سفیر کے طور پر جانے جاتے تھے، آخر کار ہندوستان کی سیاست سے بددل ہوگئے اور ہندوستان چھوڑ کر انگلستان جا بسے۔ یوں یہاں کے مسلمان تحریک آزادی کے سب سے مؤثر اور قابل لیڈر سے محروم ہوگئے۔

حضرت مصلح موعود کے دردمند دل نے محسوس کیا کہ محمد علی جناح ہی ایک ایسے لیڈر تھے جو مسلمانوں کی رہنمائی کر سکتے تھے اور مخالفین کو شکست دے کر قوم کو منزل آزادی تک پہنچا سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے 1933ء میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب درد امام بیت الفضل لندن کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ قائداعظم سے ملاقات کرکے انہیں واپس ہندوستان آنے کی ترغیب وتلقین کریں۔حضور کی دعاؤں کے طفیل مولانا درد صاحب نے قائداعظم کے ساتھ اتنی کامیاب ملاقات اور پُراثر گفتگو کی کہ قائداعظم نے خود یہ جملہ کہا

The Eloquent Persuasion of the Imam left me no escape.

سبحان اللہ کیا فصاحت و بلاغت اور پُرخلوص درد مندی تھی حضرت مولانا عبدالرحیم درد صاحب کے الفاظ میں کہ محمد علی جناح جیسا پختہ ارادے اور زبردست شخصیت کا مالک لیڈر بھی ان کی گفتگو سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔اس لئے کہ سچا شخص سچی بات ثابت ہونے پر ضرور اس کی قدردانی اور پذیرائی کرتا ہے اور یوں اس عظیم لیڈر نے ہندوستان واپس آکر قوم کی کایا پلٹ دی۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مصلح موعود اور آپ کے ایک مخلص خادم کے طفیل ہندوستان کے مسلمانوں کو قائد میسر آگیا جو بعد میں قائداعظم بنے اور قوم کو آزادی دلا کر بانی پاکستان کہلائے۔

اس تگ و دو کے نتیجہ میں قائد کی 1934ء میں وطن واپسی کا ذکر بزرگ صحافی م۔ش نے اپنے مضمون مطبوعہ پاکستان ٹائمز 11 ستمبر 1981ء قائداعظم Supplement میں ریکارڈ کیا ہے اور اس سلسلہ میں نوابزادہ لیاقت علی خان کے قابل تحسین کردار کو بھی اجاگر کیا ہے۔

It was Mr. Liaqat Ali Khan and Maulana Abdur Rahim Dard, an Imam of (Baitul Fazl), who persuaded Mr. M.A. Jinnah to change his mind.

(پورے جملے کا ترجمہ:) یہ مسٹر لیاقت علی خان اور (بیت الفضل) لندن کے امام مولانا عبدالرحیم درد ہی تو تھے جنہوں نے مسٹر جناح کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنا ارادہ بدلیں اور قومی سیاست میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے وطن واپس آئیں۔اس کے نتیجہ میں مسٹر جناح 1934ء میں ہندوستان واپس آگئے اور مرکزی اسمبلی میں بلامقابلہ منتخب ہوگئے''۔
(پاکستان ٹائمز 11 ستمبر 1981ء قائداعظم سپلیمنٹ کالم ص1)

حصول پاکستان کی جدوجہد میں یہ ایک زبردست اور فیصلہ کن مرحلہ تھا کہ خاص طور پر حضرت مصلح موعود اور آپ کے ایک غلام کی کوشش سے ہندوستان کے مسلمانوں کو سیاست سے کنارہ کش ہوجانے والے محمد علی جناح کی شخصیت میں پھر سے ایک قائد مل گیا جو اپنی بے لوث تگ ودو اور خدمت و قابلیت کی وجہ سے قائداعظم کہلائے اور مسلم لیگ اور عوام کی مدد سے پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب و سرفراز ہوئے۔

قائداعظم کی عظیم شخصیت

قائداعظم کس پائے اور کیریکٹر کے لیڈر تھے یہ بات ہر لکھا پڑھا انسان بخوبی جانتا ہے لیکن اس وقت ہم ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔

اہل دیو بند کے معدودے چند علماء میں سے جنہوں نے قائداعظم اور مسلم لیگ کا ساتھ دیا، ان میں مولانا اشرف علی تھانوی سرفہرست تھے۔قائداعظم کے متعلق ان کا ایک خواب درج ذیل ہے۔معروف صحافی مجیب الرحمٰن شامی کے کالم ''جلسہ عام'' میں لکھتے ہیں:۔

''مئی 1938ء جی ہاں مئی 1938ء...... جب مسلم لیگ نے مطالبہ پاکستان کو باضابطہ اپنی منزل قرار نہیں دیا تھا، ان مولوی صاحب نے اپنے بھتیجے اور خانقاہ کے ناظم مولوی شبیر علی صاحب کو اپنے پاس بلوایا اور فرمایا:

''مولوی شبیر علی ہوا کا رخ بتارہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہوجاویں گے اور بھائی جو سلطنت ملے گی، وہ انہی لوگوں کو ملے گی جن کو آج فاسق وفاجر کہتے ہیں۔مولویوں کو تو ملنے سے رہی۔لہٰذا ہم کو یہ کوشش کرنا چاہئے کہ یہ لوگ دین دار بن جاویں اور بھائی آجکل کے حالات ایسے ہیں کہ اگر سلطنت مولویوں کو مل بھی جائے تو مولوی شاید چلا بھی نہ سکیں''۔

آگے چل کر شامی صاحب تحریر کرتے ہیں:۔

''تھانوی صاحب نے بار بار کانگریس کے مقابلے میں مسلم لیگ کا ساتھ دینے اور مسلمانوں کو منظم ہونے پر زور دیا۔ان کو یقین تھا کہ قائداعظم مسلمانوں کے بڑے خادم ہیں۔ان کے بھانجے اور تحریک آزادی کے رہنما مولانا ظفر احمد عثمانی، جنہوں نے آزادی کے بعد ڈھاکہ میں سرکاری طور پر پاکستان کا پرچم لہرایا تھا، اپنے ماموں جان کا ایک خواب یوں بیان کرتے ہیں:۔

(مولانا تھانوی نے فرمایا) ''میں خواب بہت کم دیکھتا ہوں مگر آج میں نے عجیب خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ایک بہت بڑا مجمع ہے۔گویا کہ میدان حشر سا معلوم ہوتا ہے۔اس مجمع میں اولیاء وصلحا کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔مسٹر محمد علی جناح بھی مجمع کے ساتھ عربی لباس پہنے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھے ہیں۔ میرے دل میں خیال گزرا کہ یہ اس مجمع میں کیسے شامل ہوگئے؟ تو مجھ سے کہا گیا کہ محمد علی آجکل اسلام کی بڑی خدمت کررہے ہیں۔اس واسطے ان کو یہ درجہ دیا گیا ہے''۔ (از ''نوائے وقت'' مورخہ 21 نومبر 87ء)

1946ء کے فیصلہ کن انتخابات کا مرحلہ

قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں مسلمانان ہند کا کاروان آزادی کامیابی سے سفر کرتا ہوا آخر 1945ء کی دہلیز پر آپہنچا۔اس سے پہلے 23 مارچ 1940ء کو لاہور کے تاریخی مقام پر مسلم لیگ کی طرف سے قرارداد پاکستان پیش اور منظور ہوجانے کے بعد حصول پاکستان کے لئے عوام میں زبردست جوش و خروش پیدا ہوگیا تھا۔لیکن چونکہ کانگریس کے لیڈروں کی مخالفت اور محاذ آرائی اپنی جگہ پر جاری تھی اس لئے اپنی اپنی جگہ پر مسلم لیگ اور کانگریس کی مقبولیت کے امتحان کا مرحلہ اس وقت آپہنچا جب ستمبر 1945ء میں وائسرائے ہند نے ملک بھر میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کرانے کا اعلان کردیا۔

ہندو مسلم کے درمیان انتخابی معرکہ

46-1945ء کے انتخابات کا یہ مرحلہ کس قدر اہم تھا اس کا اندازہ قائداعظم کے اس پیغام سے کیا جاسکتا ہے جو جریدہ ''انقلاب'' مورخہ 18 اکتوبر 1945ء میں شائع ہوا تھا کہ

''ہمارے پیش نظر اہم مسئلہ آئندہ انتخابات کا ہے۔موجودہ حالات میں انتخابات کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انتخابات ہمارے لئے ایک آزمائش کی صورت رکھتے ہیں...... ہم رائے دہندگان کی رائے اس امر کے بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ پاکستان چاہتے ہیں یا ہندو راج کے ماتحت رہنا چاہتے ہیں...... مجھے معلوم ہے کہ ہمارے خلاف بعض طاقتیں کام کررہی ہیں اور کانگریس ارادہ کئے بیٹھی ہے کہ ہماری صفوں کو ان مسلمانوں کی امداد سے پریشان کردیا جائے جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ مسلمان ہمارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہیں۔ یہ مسلمان ہمارے خلاف مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے کام میں بطور کارندے استعمال کئے جارہے ہیں۔ یہ مسلمان سدھائے ہوئے پرندے ہیں۔یہ صرف شکل وصورت کے اعتبار سے ہی مسلمان ہیں''۔
(اخبار ''انقلاب'' لاہور، 18 اکتوبر 1945ء ص8)

حضرت مصلح موعود کا پاکستان کے لئے عظیم الشان فیصلہ

مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان یہ انتخابی معرکہ ایک غیر معمولی مقابلے کی حیثیت رکھتا تھا۔گویا دونوں طرف کی ٹیمیں میدان عمل میں اتر آئی تھیں۔ ایسے میں قائداعظم کے قول کے مطابق بعض مسلمان کہلانے والے گروہوں اور افراد کا مسلم لیگ اور قائداعظم کی مخالفت کرنا کس قدر افسوس اور بدقسمتی کی بات تھی۔خاص طور پر ایسے موقع پر جب ایک ایک ووٹ اور ایک ایک کارکن کی بڑی اہمیت اور ضرورت تھی۔ ایسے میں حضرت امام جماعت احمدیہ المصلح الموعود نے اپنی باصفا اور باوفا جماعت کی ساری حمایت اور قوت مسلم لیگ کے پلڑے میں ڈال دی۔مسلمانان ہند اور مسلم لیگ کے لئے اس فیصلہ کن گھڑی اور امتحان کے وقت حضرت مصلح موعود نے برصغیر کی پوری جماعت احمدیہ کے نام جو پیغام دیا وہ مفصل طور پر الفضل مورخہ 22 اکتوبر 1945ء کی اشاعت میں شائع ہوا اور اس کا ایک اہم حصہ مؤرخ تحریک آزادی و پاکستان مولانا رئیس احمد جعفری نے اپنی مشہور کتاب ''قائداعظم اور ان کا عہد'' میں درج کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:۔

''جناب موصوف (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی) اپنی جماعت کے اصحاب کو ہدایت دیتے ہوئے فرماتے ہیں''آئندہ انتخابات میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہئے۔تاانتخابات کے بعد مسلم لیگ بلاخوف تردید کانگریس سے کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے...... پس میں اس اعلان کے ذریعے تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی جگہ پر پورے زور اور قوت کے ساتھ آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ کی مدد کریں''۔

اس کے بعد مولانا رئیس جعفری اپنی متذکرہ کتاب میں جماعت احمدیہ اور مخالف پاکستان گروہوں کا باہمی تقابل کرتے ہوئے اپنا بیان مخالفین کے خلاف ایک طنزیہ شعر پر ختم کرتے ہیں۔آیئے یہ تحریر پڑھتے ہیں:۔

''مسلم قوم کی مرکزیت پاکستان یعنی ایک آزاد اسلامی حکومت کے قیام کی تائید، مسلمانوں کے

یاس انگیز مستقبل پر تشویش، عامۃ المسلمین کی صلاح و فلاح، نجاح و مرام کی کامیابی، تفریق بین المسلمین کے خلاف برہمی اور غصہ کا اظہار کون کر رہا ہے۔

امر بالعروف اور نہی عن المنکر اور جماعت حزب اللہ کا داعی اور امام الہند؟ نہیں۔ پھر کیا؟ جانشین شیخ الہند اور دیوبند یا شیخ الحدیث؟ وہ بھی نہیں، پھر کون؟ وہ لوگ جن کے خلاف کفر کے فتوؤں کا پشتارہ موجود ہے۔ جن کی نامسلمانی کا چرچا گھر گھر ہے۔ جن کا ایمان، جن کا عقیدہ مشکوک، مشتبہ اور محل نظر ہے۔ کیا خوب کہا ہے ایک شاعر نے۔

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

(''قائداعظم اور ان کا عہد'' صفحہ 345 تا 346، پبلشرز مقبول اکیڈمی لاہور)

ان انتخابات میں جماعت احمدیہ کے مسلم لیگی امیدواروں کو ووٹ دینے کا یہ جذبہ اور حال تھا کہ جماعت کے شدید مخالف مولانا ظفر علی خان بٹالہ کے علاقہ سے مسلم لیگ کے امیدوار بنے تو احمدیوں نے وہاں پہنچ کر ووٹ دیئے اور کامیاب کرایا۔

اس مضمون میں قارئین کرام کے سامنے واقعات و شواہد اور مستند حوالہ جات سے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ تحریک آزادی کے سفر اور قیام پاکستان کے عمل میں جو چار اہم موڑ اور فیصلہ کن مراحل پیش آئے جماعت احمدیہ نے اپنے اولوالعزم امام حضرت مصلح موعود کی رہنمائی اور نگرانی میں ان مواقع پر بے لوث اور بھرپور کردار ادا کیا اور ایسے عملی اور فکری اقدامات کئے جن سے منزل آزادی اور حصول پاکستان کی نوید بفضل اللہ تعالیٰ قریب سے قریب تر آتی گئی اور آخر مسلمانان ہند کو قائداعظم کی قیادت میں وطن عزیز پاکستان حاصل کرنے میں عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی اور وہ چار اہم سنگ میل اور فیصلہ کن مراحل خلاصۃً یہ تھے:

(الف) اتحاد المسلمین کے لئے مضبوط اور مشترکہ بنیاد کی وضاحت

(ب) مسلمانوں کے لئے جداگانہ انتخابات کی پُرزور تلقین (1927ء) اور فیڈرل گورنمنٹ کی ضرورت اور اس کی حمایت (1928ء)

(ج) مسلمانوں کے قائد کے ہندوستان واپسی کے لئے عملی اور کامیاب کوشش۔

(د) 1946ء کے فیصلہ کن اور دوررس نتائج کے حامل انتخابات کے موقع پر قائداعظم اور مسلم لیگ کے حق میں بھرپور جدوجہد۔

جماعت احمدیہ اپنے امام ہمام کی ہر تلقین پر دل و جان سے عمل کرنا اپنے لئے دینی و دنیاوی خوش بختی یقین کرتی ہے۔ ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے تو ہمیں یہ نصیحت فرمائی جو ہمارے لئے حرز جان کی حیثیت رکھتی ہے۔

''لوگ تو اس ملک کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن آپ ان کوششوں کی راہ میں روک بن جائیں اور حب الوطنی کے گیت گائیں اور ساری قوم کو سمجھائیں۔ حب الوطنی کے جذبہ کو زخمی نہ ہونے دو۔ اس لئے جماعت احمدیہ کو یہ جہاد بھی کرنا چاہئے کہ پاکستان میں حب الوطنی کے احساس کو نمایاں کیا جائے اور بیدار کیا جائے اور ہر قسم کے ایسے خیالات جو پاکستان کو کسی طرح نقصان پہنچا سکتے ہیں ان کے خلاف کوشش کرنا بھی جماعت احمدیہ کا کام ہے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ پاکستان کو ہمیشہ سلامت رکھے کیونکہ یہ ملک دین کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اس لحاظ سے یہ واحد ملک ہے اس لئے اگر اس مقدس نام سے پیار اور محبت ہے تو پھر دنیا کے ہر احمدی کو چاہئے کہ پاکستان کو نقصان پہنچانے کی ہر کوشش کو ناکام بنادے''۔

(از الفضل 13 راگست 1999ء)

اردو سائنس کالج کراچی

پاکستان کے تعلیمی اداروں میں کراچی میں قائم اردو سائنس کالج کئی حوالوں سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ پاکستان کا پہلا کالج ہے جہاں انٹرمیڈیٹ سے ایم ایس سی تک تدریس ملک کی قومی زبان اردو میں دی جاتی ہے۔ یہ طلبا و طالبات کی تعداد کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا کالج ہے اور کراچی کا پہلا کالج ہے جہاں ایم ایس سی کی تدریس شروع ہوئی۔

اردو سائنس کالج بابائے اردو مولوی عبدالحق کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ انہوں نے 25 جون 1949ء کو بابائے قوم، محمد علی جناح کے فرمودات کی تعمیل میں انجمن ترقی اردو کی عمارت میں اردو کالج قائم کیا۔ جہاں شروع شروع میں فنون اور پھر سائنس اور پھر قانون کی تعلیم بھی اردو زبان میں دی جانے لگی۔ وہ دراصل ایک ایسی جامعہ کے قیام کے خواہاں تھے جہاں اعلیٰ درجوں تک کی تعلیم قومی زبان میں دی جائے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے کنٹری کلب روڈ (موجودہ یونیورسٹی روڈ) کے ویرانے میں ایک وسیع قطعہ اراضی حاصل کیا۔ جہاں یہ جامعہ تعمیر کی جانی تھی۔

13 مئی 1964ء کو صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے اس قطعہ اراضی میں اردو سائنس کالج کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ وسائل کی کم یابی اور حالات کی ستم ظریفی کے باوجود اردو کالج نے منزل بہ منزل اپنا سفر جاری رکھا اور اکتوبر 1969ء میں تعمیر کسی حد تک مکمل ہونے کے بعد اس عمارت میں تدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

یکم ستمبر 1972ء کو اس کالج کو حکومتی تحویل میں لے لیا گیا اور 1977ء سے یہاں پوسٹ گریجویٹ کلاسوں کا آغاز ہوگیا۔

اس وقت اردو سائنس کالج میں ریاضی، طبعیات، حیوانیات، جغرافیہ، ارضیات، کیمیا اور نباتیات میں ایم ایس سی تک تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ کالج کا ایک اہم ادارہ شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ ہے جو اب تک مختلف سائنسی علوم کی چالیس کے لگ بھگ کتابیں شائع کر چکا ہے۔

ارض چونڈہ مرگھٹ اصحاب فیل ہے

پاکستان کے شیر دل میجر جنرل عبدالعلی ملک (ہلال جرأت) معرکہ چونڈہ پر تبصرہ کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:۔

یہ تو تھیں وہ ظاہری اور مادی وجوہ جن سے تین دن کی لڑائی میں ہمیں وہ قیمتی وقت حاصل ہوا جس میں ہماری فوج کو یہ محاذ مضبوط کرنے کا موقع مل گیا لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے جو میں نے آگ اور خون کے سیلاب سے گزر کر اپنے مشاہدے کی بناء پر قائم کی ہے کہ

''ان مادی اسباب کے پیچھے تائید ایزدی کا مضبوط ہاتھ کارفرما تھا''

ورنہ یہ ضروری نہیں تھا کہ ان واقعات کا تاثر دشمن بھی وہی لیتا جو اس نے درحقیقت لیا تھا۔ ہمیں یہ خوب معلوم تھا کہ ہم اسلام کی جنگ لڑ رہے ہیں اور ایسے موقعوں پر خداوند تعالیٰ خود فرماتا ہے۔

اگر تم میں سے بیس ثابت قدم رہے تو دو سو پر غالب آ جاؤ گے

اس کے علاوہ یہ مسلّمہ امر ہے کہ جب خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ

وہ دشمن کے دل میں کثرت تعداد کا خوف ڈال دیتا ہے اور اپنے غازیوں کی حوصلہ افزائی کیلئے انہیں دشمن کی تعداد کم دکھاتا ہے۔

آزادی کے بعد یہ ہمارا پہلا امتحان تھا اس لئے خدا نے ہمارے کردار کی کمزوریوں اور ایمان کی خامیوں کے باوجود اپنی رحمت کا ہمیں ہی مستحق سمجھا...... لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ آخری امتحان ہو۔ اس لئے ہمیں ہمیشہ بلندی کردار سے رحمت الٰہی کو جذب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

''پاکستان کا تو خدا تعالیٰ خود محافظ ہوگا اور جو مشیت ایزدی میں ہے۔ وہ پورا ہو کر رہے گا۔''

لیکن ممکن ہے قوم کو اس کیلئے بہت زیادہ قربانی دینی پڑے۔

اصحاب فیل آئے بصد اہتمام جنگ
تسخیر ارض پاک کی دل میں لئے امنگ

اعلان جنگ کرنے کی ہمت نہ کر سکے
مارا شب سیاہ میں مارسیہ سا ڈنگ

اٹھے تو قہر و غیظ الٰہی میں پھنس گئے
برسا جو آسمان سے طوفان نار و سنگ

گولوں کے ساتھ اڑ گئے فولاد کے گنیش
کٹ کر گئے فضاؤں میں طیارے جوں پتنگ

میدان کار زار بنا مثل روز حشر
مرنے سے پیشتر ہی اڑا سینکڑوں کا رنگ

ارض چونڈہ مرگھٹ ''اصحاب فیل'' ہے
تائید ایزدی کے نرالے ہیں رنگ ڈھنگ

کشمیر جن کے ملک کا حصہ نہ بن سکا
بکھرے پڑے ہیں ہر طرف ان کے ''اٹوٹ انگ''

عبدالعلی ملک

مکرم مسعود احمد صاحب دہلوی

ہمارے قومی مسائل اور ان کا حل

قائد اعظم کے ارشادات کی روشنی میں

ہم یوم آزادی کے پُرمسرت موقعہ پر قائداعظم کے بعض ارشادات ایک خاص ترتیب کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔ اگر ان ارشادات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ اس وقت ہم جن قومی مسائل سے دوچار ہیں وہ ایک ایک کر کے ہمارے سامنے آتے چلے جائیں گے۔ بلکہ یہ امر بھی منکشف ہوگا کہ ان مسائل کا اصل حل کیا ہے۔ یہ اقتباسات محکمہ مطبوعات وفلمسازی حکومت پاکستان کے شائع کردہ دو نہایت ہی بیش قیمت اور کمال درجہ خوبصورت ودیدہ زیب کتابچوں ”نقش دوام“ اور ”بابائے قوم نے فرمایا“ سے ماخوذ ہیں۔

حصول آزادی کے بعد ہمارا فرض

قائداعظم نے فرمایا:۔

”آزادی کا مطلب بے لگام ہو جانا نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ جو رویہ چاہیں اختیار کریں اور جو بھی جی میں آئے کر گزریں۔ یہ پروا نہ کرتے ہوئے کہ مملکت کے دوسرے لوگوں کے مفادات کیا ہیں۔ آپ پر ایک بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور چہ جائیکہ آپ دوسروں سے بے پروا ہو کر عمل پیرا ہوں اب یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہم ایک متحد اور مضبوط قوم کی طرح کام کریں۔ اب ہمیں تعمیری جذبہ درکار ہے نہ کہ ان دنوں کا جنگی جذبہ جب ہم آزادی کے لئے جنگ کر رہے تھے۔

اب ہمیں جو چیز پیدا کرنی چاہئے وہ تعمیری جذبہ ہے، وہ جھگڑالو طبیعت نہیں جو اس زمانہ کے لئے ٹھیک تھی جب ہم آزادی کے لئے لڑ رہے تھے“۔

(جلسہ تقسیم اسناد ڈھاکہ یونیورسٹی 24 مارچ 1948ء)

”اب جبکہ آپ نے اپنا دلی مقصد حاصل کر لیا ہے یعنی اب آپ کی اپنی حکومت ہے اپنا ملک ہے جہاں آپ آزاد انسانوں کی طرح زندگی گزار سکتے ہیں۔ تو آپ کی اپنی ذمہ داریاں بھی بدل جانی چاہئیں اور آپ کا نقطہ نظر بھی سیاسی، سماجی اور اقتصادی مسائل کے بارہ میں یقیناً تبدیل ہو جانا چاہئے“۔

(اسلامیہ کالج پشاور کے طلباء سے خطاب 12/اپریل 1948ء)

”میں بعض طبقوں میں افسوسناک رجحان پاتا ہوں وہ غلامی سے نجات پانے کو جو انہیں حال ہی میں حاصل ہوئی ہے دراصل آزادی خیال نہیں کرتے …… وہ غلامی سے اس نجات کو ایک کھلی ہوئی چھوٹ سمجھتے ہیں اور یہ کہ گویا ان پر اب کوئی قید یا پابندی نہیں رہی۔ یہ بات صحیح ہے کہ غیر ملکی اقتدار ختم ہو جانے کے بعد لوگ اب اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا خود ہی اختیار رکھتے ہیں۔ انہیں پوری آزادی حاصل ہے کہ آئینی طور پر جس قسم کی حکومت چاہیں اپنے لئے بنائیں لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ غیر آئینی طور پر کوئی گروہ یا طبقہ حکومت وقت پر جس کی تشکیل عوام کی رضامندی سے ہوئی ہے اپنی مرضی یا منشاء کو مسلط کر دے۔ حکومت اور اس کی پالیسی منتخب نمائندوں کی رائے سے بدلی جاسکتی ہے۔ لیکن کوئی حکومت بھی غیر ذمہ وار اور ناعاقبت اندیش لوگوں کی ہلڑ بازی اور غنڈہ شاہی کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ ان رجحانات کو پوری قوت سے کچل دینا پڑتا ہے“۔

(ریڈیو پاکستان ڈھاکہ سے نشری تقریر 28 مارچ 1948ء)

حکومت اور عوام میں باہمی تعاون

”نکتہ چینی ہمیشہ آسان ہوتی ہے۔ عیب نکالتے رہنا کچھ مشکل نہیں۔ لوگ ان باتوں کو بھول جاتے ہیں جو ان کے لئے کی جاتی ہیں۔ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں۔ ایسا تو ہونا ہی تھا۔ یہ احساس نہیں کرتے کہ اس کی خاطر سختیوں مشکلوں اور خطروں کو جھیلنا پڑا۔

کسی بڑے انتظام حکومت میں ظاہر ہے کہ غلطیاں تو ہوں گی ہی۔ آپ یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ وہ خطا سے بالکل پاک ہوگا۔ ایسا تو دنیا کے کسی ملک میں بھی ممکن نہیں میں یہ نہیں سمجھتا کہ آپ کے ملک کے انتظام میں کوئی نقص ہی نہیں ہے اور اپنی جگہ مکمل ہے ہرگز نہیں۔ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ اس میں اصلاح اور ترقی کی گنجائش نہیں ہے نہ میں اس نکتہ چینی کو برا سمجھتا ہوں جو خلوص نیت سے سچے محبان وطن کی جانب سے ہو۔ ایسی نکتہ چینی ہمیشہ قابل قدر ہوتی ہے۔ لیکن جب میں ملک کے بعض گوشوں سے عیب جوئی اور شکایت کے سوا کچھ نہیں سنتا اور حکومت یا حکومت کے ان افراد کی خدمات کے اعتراف میں جو وفادار ہیں اور دن رات آپ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں کوئی تعریف کا لفظ نہیں سنتا تو قدرتی طور پر مجھے اس سے تکلیف پہنچتی ہے۔ اس لئے آپ پہلے اچھے کاموں کی کچھ تو بھلائی بھی بیان کیجئے جو واقعی کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد شکوہ وشکایت یا اعتراض کیجئے۔ ہمارا طرز عمل آزاد لوگوں کا سا ہونا چاہئے اور اسی جذبہ کے ساتھ اپنے معاملات کی اصلاح اور درستی کرنی چاہئے“۔

”یہ واقعی بڑی خوشی کی بات ہے کہ پاکستان کے عوام اپنے ملک کی ترقی کے امکانات سے باخبر ہیں۔ مگر میں آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ بے صبری اور جلد بازی اتنی ہی خطرناک ہے۔ جتنی ولولے کی کمی اور بے حسی۔ میں آپ کو پُرزور صلاح دوں گا کہ آپ صبر وتحمل سے کام لیں اور ان لوگوں کی حمایت کریں جن کے ہاتھ میں آپ کی حکومت کی باگ ڈور ہے۔ آپ ان کے ساتھ ہمدردی رکھیں اور ان کی مشکلات اور دقتوں کی اسی طرح سمجھنے کی کوشش کریں۔ جس طرح انہیں آپ کی تکالیف شکایات اور پریشانیوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

اسی تعاون، نیک نیتی اور نیک جذبہ کے بل بوتے پر آپ نہ صرف پاکستان کو قائم رکھ سکیں گے جو آپ نے حاصل کیا ہے بلکہ آپ اسے دنیا کی ایک بڑی مملکت بنا سکیں گے“۔

(ڈھاکہ کے جلسہ عام میں تقریر 21 مارچ 1948ء)

سول افسران اور ان کی ذمہ داری

”آپ کا شمار حکمران جماعت میں نہیں۔ آپ خادم ہیں۔ لوگوں میں یہ احساس پیدا کیجئے کہ آپ ان کے خادم اور دوست ہیں۔ عزت، دیانت اور عدل و انصاف کا اعلیٰ ترین معیار قائم کیجئے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو لوگوں کو آپ پر اعتبار ہوگا اور وہ آپ کو اپنا دوست اور خیر خواہ سمجھیں گے۔

آپ کو کسی سیاسی جماعت یا کسی خاص سیاست دان کے سیاسی دباؤ سے متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ اگر آپ پاکستان کے وقار اور عظمت کو بڑھانا چاہتے ہیں تو آپ کو کسی دباؤ کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ عوام اور مملکت کے خدام کی حیثیت سے اپنے فرائض بے باکی اور دیانت داری سے انجام دیجئے۔ خدمت مملکت کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے۔ حکومتیں بنتی ہیں ٹوٹتی ہیں، وزیراعظم آتے ہیں جاتے ہیں، وزیر آتے ہیں جاتے ہیں لیکن آپ لوگ برقرار رہتے ہیں۔ اس لئے آپ پر ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہے“۔

(سول افسران پشاور کو مشورہ 4/اپریل 1948ء)

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دنیا میں آپ کے ضمیر سے برتر کوئی چیز نہیں ہے۔ جب آپ خدا کے حضور پہنچیں تو یہ کہہ سکیں کہ آپ پر جو فرائض عائد تھے آپ نے انہیں کامل ایمانداری، دیانت، خلوص اور وفاداری کے ساتھ ادا کیا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اپنے اندر یہ جذبہ پیدا کریں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ یہ جذبہ پیدا کریں گے اور اسی کے مطابق کام کریں گے“۔

(سبی بلوچستان کے سول افسران سے خطاب 12 فروری 1948ء)

قومی یکجہتی اور اتحاد

”آپ یقیناً یہ محسوس کرتے ہوں گے کہ پاکستان جیسی نوزائیدہ مملکت کے باشندوں میں جس کے دو حصے ایک دوسرے سے دور افتادہ بھی ہوں کس درجہ باہمی اتحاد اور اتفاق کی ضرورت ہے اور یہ اتحاد واتفاق نہ صرف ترقی کے لئے بلکہ اس کی بقا اور اس کے وجود کے لئے ضروری ہے۔

پاکستان مسلمانوں کی وحدت ملی کا آئینہ دار ہے اور اسے ایسا ہی رہنا چاہئے۔ سچے مسلمانوں کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ جان و دل سے اس کی پاسبانی و حفاظت کریں۔ اگر ہم خود کو پہلے بنگالی، پنجابی، سندھی وغیرہ خیال کرنا شروع کر دیں اور ضمناً پاکستانی تو یقیناً پاکستان کا شیرازہ بکھر جائے گا“۔

(نشری خطاب ڈھاکہ 28 مارچ 1948ء)

میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا کروں اور مجھے امید ہے کہ پاکستان کی تعمیر و ترقی اور اسے ایک عظیم وشاندار مملکت بنانے کا جو بہت بڑا کام ہمیں درپیش ہے۔ اس کے پیش نظر ہمیں یکجہتی کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ خدا ایک ہے، رسولؐ ایک ہے، قرآن ایک، اس لئے ہمیں ایک ملت بن کر متحد رہنا چاہئے۔ ایک پرانی کہاوت ہے کہ اتفاق میں طاقت اور نااتفاقی میں ہلاکت ہے“۔

(جرگہ جملہ قبائلی سرحد سے خطاب پشاور 17/اپریل 1948ء)

”جب میں پاکستان کے کسی طبقہ پر صوبائیت کا غلبہ پاتا ہوں تو مجھے قدرتی طور پر دکھ ہوتا ہے۔ پاکستان کو اس برائی سے آزاد ہونا چاہئے۔ یہ تو پرانے دور حکومت کی یادگار ہے۔ جب آپ تحکم، انگریزوں کے تحکم، سے بچنے کے لئے صوبائی خود اختیاری اور مقامی آزادئ عمل پر جان دیتے تھے۔ مگر اب جبکہ مرکزی حکومت اور اقتدار تمام تر آپ کا اپنا ہے۔ اس انداز سے سوچتے چلے جانا محض حماقت ہے۔ بالخصوص جبکہ آپ کی مملکت نئی نئی وجود میں آئی ہے اور شدید ترین اندرونی اور بیرونی مسائل سے دوچار ہے۔ اس نازک موقعہ پر صوبائی مقامی یا ذاتی مفاد کو مملکت کے کسی اہم مفاد پر غالب آنے دینا خودکشی کے مترادف ہے“۔ (بجواب سپاسنامہ بلدیہ کوئٹہ 5 جون 1948ء)

معاشرتی انصاف اور معاشی نظام

”اخوت مساوات اور حریت۔ یہ ہیں ہمارے مذہب، تہذیب اور تمدن کے بنیادی نقطے۔ ہم نے حصول پاکستان کی خاطر اسی لئے جنگ کی کہ برصغیر پاک وہند میں ان انسانی حقوق کے پائمال ہونے کا اندیشہ تھا“۔

(استقبالیہ میں تقریر چاٹگام 26 مارچ 1948ء)

”اپنی ہی مملکت کا قیام صرف حصول مقصد کا ذریعہ

تھا نہ کہ مقصود بالذات۔ مدعا یہ تھا کہ ہماری اپنی ہی ایک مملکت ہو جس میں ہم آزاد انسانوں کی حیثیت سے جئیں اور زندگی بسر کریں۔ جسے ہم اپنی تہذیبی روشنی اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی دے سکیں اور جہاں اسلام کے معاشرتی انصاف کے اصول پوری آزادی سے بروئے کار آسکیں“۔

(عمال حکومت سے خطاب کراچی 11 اکتوبر 1947ء)

”اگر ہم اقتصادیات کے بارہ میں مغربی نظریے اور مسلک اختیار کریں تو اس سے ہمیں لوگوں کو مطمئن و خوشحال بنانے کا مقصد حاصل کرنے میں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ ہمیں اپنا راستہ آپ بنانا چاہئے اور دنیا کا ایسا معاشی نظام پیش کرنا چاہئے جو فی الحقیقت مساوات اور سماجی انصاف کے اسلامی تصور پر مبنی ہو۔ اس طرح ہم مسلمانوں کی حیثیت سے اپنا فرض پورا کریں گے اور نوع انسان کو امن و آشتی کا پیغام دیں گے۔ فقط یہی پیغام ہے۔ جو نوع انسان کو بچا سکتا ہے اور اس کی بہبودی خوشی وخرمی اور خوشحالی کا ضامن ہو سکتا ہے“۔

(افتتاح دولت بینک پاکستان کے موقعہ پر تقریر کراچی یکم جولائی 1948ء)

اعلیٰ سیرت کا کمال

”ہم میں اعلیٰ سیرت کا کمال باقی نہیں رہا۔ سیرت کیا؟ عزت نفس کا انتہائی احساس، راستبازی، یقین، ترغیب وتحریص سے بیگانگی اور ہر وقت قوم کے مجموعی فائدہ کی خاطر خود کو محو کر دینے پر آمادگی“۔

(کنونشن مسلم لیجسلیٹرز میں تقریر دہلی 11 اپریل 1946ء)

”ہم اس وقت جس دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ کسی طرح بھی کامل نہیں کہلائی جا سکتی۔ تہذیب وتمدن کی ترقی کے باوجود جنگل کا قانون جاری ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مصداق طاقتور کمزوروں سے ناجائز فائدہ اٹھانے سے باز نہیں رہتے۔ اپنی ترقی کو مقدم رکھنا، حرص اور طاقت حاصل کرنے کا خبط نہ صرف افراد بلکہ اقوام کا بھی وطیرہ بن چکا ہے۔ اگر ہم ایک زیادہ محفوظ، پاکیزہ اور پُرمسرت دنیا پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اصلاح کا کام افراد سے شروع کرنا پڑے گا۔ بچپن ہی سے فرد کی زندگی میں دوسروں کی خدمت اور قول وفعل اور خیال کی پاکیزگی کا مسلک پیدا کر دینا چاہئے۔ اگر ہمارے نوجوان سب کو دوست بنانے، سب کی ہمہ وقت خدمت کرنے، ذاتی مفاد کو دوسروں کی بھلائی کے سامنے پس پشت ڈالنے اور خیالی الفاظ اور عمل میں تشدد سے بچنے کا سبق سیکھ لیں تو امید واثق ہے کہ عالمگیر اخوت ہمارے امکان اور دسترس میں ہوگی“۔

(بوائے سکاؤٹس سے خطاب 22 دسمبر 1947ء)

طلباء کو مشورہ

”میرے نوجوان دوستو! میں تمہاری طرف اس توقع سے دیکھتا ہوں کہ تم پاکستان کے حقیقی معمار ہو۔ دوسروں کا آلہ کار مت بنو اور ان کے بہکانے میں مت آؤ۔ اپنے اندر مکمل اتحاد اور جمعیت پیدا کرو۔ اس کی مثال قائم کرو کہ نوجوان کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر تم اب اپنی قوتوں کو فضول کاموں میں ضائع کرو گے تو بعد میں ہمیشہ افسوس کرو گے۔ جب تم یونیورسٹیوں اور کالجوں سے فارغ التحصیل ہو جاؤ۔ تو پھر آزادی سے سرگرم کار ہو کر اپنی اور مملکت دونوں کی مدد کر سکتے ہو“۔

(جلسہ عام میں تقریر ڈھاکہ 21 مارچ 1948ء)

”اپنے آپ سے انصاف، والدین سے انصاف، بلکہ مملکت سے بھی انصاف اسی میں ہے کہ تمہاری اہم ترین مصروفیت، تمام تر تحصیل علم ہی سے مخصوص رہے۔ صرف اس طرح تم خود کو اس زندگی کی اس جنگ کے لئے تیار کر سکتے ہو۔ جو آگے چل کر پیش آنے والی ہے۔ صرف اسی طریقے سے ہی تم اپنی مملکت کے لئے اہم اثاثہ اور طاقت وفخر کا سرچشمہ بن سکتے ہو۔ صرف اسی طرح تم ان عظیم معاشرتی و معاشی مسائل کو حل کرنے میں مدد دے سکتے ہو۔ جو در پیش ہیں“۔

(ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد سے طلباء سے خطاب 24 مارچ 1948ء)

”تم سے جن فرائض کی توقع ہے وہ یہ ہیں کہ ضبط کا اعلیٰ احساس، کردار اور ٹھوس علمی پس منظر پیدا کرو۔ خود کو تمام تر تحصیل علم کے لئے وقف کر دو۔ کیونکہ یہ پہلا فرض ہے جو تمہارے ذمہ ہے۔ پھر تمہیں خود اپنے لئے اپنے والدین اور مملکت کے لئے اطاعت سیکھنی چاہئے۔ کیونکہ اطاعت سیکھنے کے بعد ہی تم حکم کرنا بھی سیکھ سکتے ہو“۔

(طلباء اسلامیہ کالج پشاور کے سپاسنامے کے جواب میں 2 اپریل 1948ء)

پاکستان کا آئین اور نظام مملکت

”پاکستان درحقیقت مسلمانوں کے مطالبہ آزادی کی تکمیل ہے۔ کیونکہ اس میں مسلمان اپنی وضع ہی کی حقیقی جمہوریت قائم کر سکیں گے۔ اس حکومت کو پاکستانی عوام کی تائید حاصل ہوگی اور یہ بلا امتیاز ذات، مذہب اور نسل پاکستان کے تمام لوگوں کی مرضی اور منظوری سے کام کرے گی“۔

(نامہ نگار ڈیلی ورکر سے انٹرویو لندن 14 اکتوبر 1944ء)

پاکستان کے وسائل

”قدرت نے آپ کو ہر چیز عطا کی ہے۔ آپ کے پاس لامحدود وسائل ہیں۔ آپ کی مملکت کی بنیاد پڑ چکی ہے۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ اسے تعمیر کریں اور جلد از جلد تعمیر کریں۔ سو آگے بڑھئے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کو کامیابی عطا کرے“۔

(پاکستان کی پہلی سالگرہ پر پیغام 14 اگست 1948ء)

1973ء کا آئین اور پاکستانیوں کے بنیادی حقوق

آزادی کے بعد سے 1956ء تک پاکستان کے عبوری دستور میں عوام کے بنیادی حقوق کا کوئی ذکر نہ تھا البتہ 1954ء سے ہائی کورٹ کو شہریوں سے ان کے آئینی حقوق کے مطابق سلوک کے ضمن میں اجرائے پروانہ (رٹ پٹیشن) کا اختیار حاصل تھا۔

1956ء کے آئین میں بنیادی حقوق پر ایک باب شامل کیا گیا جسے انسانی حقوق کے عالمی اعلامیہ سے اخذ کیا گیا تھا۔ اس آئین کو 1958ء میں منسوخ کر دیا گیا۔ 1962ء میں نافذ ہونے والے آئین میں بنیادی حقوق موجود نہ تھے لیکن ایوب حکومت کو جلد ہی یہ حقوق بحال کرنا پڑے۔ 1973ء کے آئین میں بنیادی حقوق کی دوبارہ سے تعریف کی گئی۔

موجودہ آئین کے تحت پاکستان کے شہریوں کو درج ذیل بنیادی حقوق حاصل ہیں۔

1۔ کسی شخص کو زندگی اور آزادی سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ ماسوائے قانونی تقاضے پورے کرنے کی غرض سے۔

2۔ (الف) کسی بھی شخص کو حراست میں لیا جاتا ہے تو اس کی گرفتاری کی وجوہات سے جس قدر جلد ممکن ہو آگاہ کیا جائے گا اور اسے اپنی مرضی سے اپنا وکیل کرنے اور اس سے مشورہ کرنے کی اجازت ہوگی۔

(ب) حراست میں لئے جانے والے شخص کو 24 گھنٹے کے اندر مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور مزید حراست میں رکھنے کے لئے مجسٹریٹ سے منظوری لینا ہوگی۔

(ج) مگر امتناعی نظربندی کے قوانین کے تحت کسی شخص کو حراست میں لیا جاسکتا ہے اور نظربند کیا جاسکتا ہے۔

3۔ غلامی پر پابندی ہے اور تمام قسم کی جبری مشقت اور انسانوں کی خرید وفروخت کی اجازت نہیں ہے۔ چودہ سال سے کم عمر کے بچے کو کسی فیکٹری، کان میں پرخطر ملازمت کی اجازت نہیں۔ با ایں ہمہ سزایافتہ لوگوں کو لازمی خدمت پر مجبور کیا جاسکتا ہے اور دیگر شہریوں کو قانون کے تحت اس کے لئے پابند کیا جاسکتا ہے۔ ایسی عوامی خدمت ظالمانہ نوعیت کی نہیں ہونی چاہئے اور نہ ہی انسانی وقار کے منافی۔

4۔ کسی بھی شخص کو کسی ایسے عمل کی سزا نہیں دی جاسکتی جو جرم کے ارتکاب کے وقت جرائم کی فہرست میں شامل نہ ہو اور کسی شخص کو ارتکاب جرم کے وقت موجود قانونی سزا سے زیادہ سزا ہرگز نہیں دی جاسکتی۔

5۔ ایک ہی جرم میں کسی شخص پر دو مرتبہ نہ مقدمہ چلایا جاسکتا ہے نہ سزا دی جاسکتی ہے اور نہ ہی اسے اپنے خلاف گواہی دینے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ سوائے قانونی فائدے کے تحت۔

6۔ ثبوت حاصل کرنے کے لئے کسی شخص پر تشدد نہیں کیا جاسکتا۔

7۔ ہر شہری کو ملک کے کسی بھی حصے میں جانے اور رہائش اختیار کرنے کا حق ہے۔

8۔ ہر شہری کو پرامن اجتماع کا حق ہے۔

9۔ ہر شہری کو یونین اور انجمن بنانے کا حق ہے۔

10۔ ہر شہری کو جو کہ حکومت کا ملازم نہیں سیاسی جماعت بنانے یا کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہونے کا حق ہے۔

11۔ ہر شخص کو کوئی بھی جائز پیشہ یا کاروبار اختیار کرنے کا حق ہے۔

12۔ ہر شخص کو آزادی تقریر واظہار کا حق ہے۔ مزید برآں پریس آزاد ہوگا۔

13۔ ہر شخص کو اپنے مذہب کا ادعا کرنے، اس پر عمل کرنے اور اسے پھیلانے کا حق ہے۔

14۔ ہر مذہبی جماعت کو خاص اپنے مذہبی ادارے کو برقرار رکھنے کا حق ہے۔

15۔ کسی بھی شخص کو کوئی ایسا ٹیکس دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا جو اس کے اپنے مذہب کی بجائے کسی اور مذہب کے مفاد کے لئے ہو۔

16۔ کسی بھی تعلیمی ادارے میں زیر تعلیم شخص کو کسی دوسرے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے یا ان کی کسی رسم میں شرکت کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

17۔ تمام مذہبی اداروں سے ٹیکسوں کی چھوٹ یا کمی کے معاملے میں یکساں سلوک کیا جائے گا۔

18۔ تمام مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے قائم کردہ مذہبی ادارے میں اپنے مذہب کی تعلیم دے سکیں۔

19۔ کسی بھی شخص کو پبلک محصولات سے امداد حاصل کرنے والے تعلیمی ادارے میں نسل، مذہب، ذات، جائے پیدائش کی بنیاد پر داخلے سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

20۔ ہر شہری کو ملکیت رکھنے کا حق ہے۔

21۔ کسی بھی شخص کو اس کی ملکیت سے محروم نہیں کیا جاسکتا ماسوائے قانون کے تقاضے کے تحت۔

22۔ قانون کی نظر میں تمام شہری برابر ہیں۔ قانونی تحفظ کے یکساں حقدار ہیں۔

23۔ ماسوائے مذہبی اداروں کے، عوامی تفریح کے تمام مقامات تک رسائی سے کسی شخص کو نسل، مذہب، ذات اور جائے پیدائش اور رہائش کی بنیاد پر روکا نہیں جاسکتا۔

24۔ کسی بھی اہل شخص سے مذہب، ذات، جنس اور جائے پیدائش و رہائش کی بنا پر ملازمت کے معاملے میں امتیازی سلوک روا نہیں رکھا جائے گا۔

25۔ شہریوں کے ہر گروہ کو مخصوص زبان، رسم الخط اور ثقافت کی ترویج اور اس مقصد کے لئے ادارے قائم کرنے کا حق ہوگا۔

(ڈیموکریٹک کمیشن فار ہیومن ڈویلپمنٹ)

احمد مستنصر قمر صاحب

پاک سرزمین

زمانۂ قدیم سے انسانی اور حیوانی زندگی کا مرکز

روزنامہ ڈان کی 16 راپریل 2005ء کی اشاعت کے میگزین میں "Pakistan: Home of ancient whales" کے نام سے ایک مضمون چھپا ہے جو جغرافیائی اور حیاتیاتی لحاظ سے ہمارے پیارے وطن کو قدرت کی طرف سے نوازے گئے بعض عظیم انعامات کے ذکر پر مشتمل ہے۔ مضمون نگار نے جدید تحقیق کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ ارض پاک قدیم سے انسانی وحیوانی تہذیبوں کی آماجگاہ رہی ہے۔ اس سلسلے میں ضلع چکوال کا علاقہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ حالیہ تحقیقات کے مطابق اب تک دریافت ہونے والی وہیل مچھلی کی قدیم ترین قسموں میں سے چند اہم قسمیں وطن عزیز کی سرزمین سے ملی ہیں اور دنیا میں پاکستان کی شہرت اور افتخار کا باعث بنی ہیں۔ درحقیقت پاکستان سے ملنے والی وہیل مچھلیوں کے فوسلز دنیا میں کہیں بھی ملنے والے فوسلز سے زیادہ ہیں اور اتنے قدیم ہیں کہ یہ اندازہ کیا جارہا ہے کہ شاید وہیل مچھلی کی نسل کی ابتداء یہیں سے ہوئی تھی۔ جو آثار ملے ہیں وہ 38 ملین سال سے لے کر 55 ملین سال تک پرانے ہیں اور اپنی ظاہری ہیئت کے اعتبار سے دنیا میں کہیں بھی ملنے والے فوسلز سے اچھی حالت میں ہیں۔

ارض پاک میں سب سے پہلے وہیل مچھلی کے فوسلز اٹک میں ''کالاچٹا'' پہاڑوں سے 1958ء میں دریافت ہوئے تھے۔ 1979ء سے لے کر 2000ء تک جیولاجیکل سروے آف پاکستان اور امریکہ کی مشی گن اور ہاورڈ یونیورسٹی نے مشترکہ کوشش سے سرحد، پنجاب اور بلوچستان کے پتھریلے علاقوں سے وہیل مچھلی کی ختم ہوجانے والی چودہ نسلوں کے فوسلز دریافت کئے ہیں جو ان علاقوں میں 40 سے لے کر 52 ملین سال سے موجود ہیں۔ بھیڑیئے کی جسامت کے برابر سائز کی وہیل مچھلی جو پاکستان میں ملنے والی قسموں میں سب سے پرانی ہے وہ ضلع کوہاٹ اور اٹک کے اضلاع سے ملی ہے جو کہ 52 ملین سال پرانی ہے۔ یہ 1979ء میں دریافت ہوئی تھی اور اس بات کے بھی آثار ملے ہیں کہ سمندری وہیل مچھلیاں ایک زمانہ میں زمین پر ہی دیگر ممالیہ (دودھ پلانے والے) جانوروں کے ساتھ رہتی تھیں۔

چنانچہ 92-1991ء میں جیولاجیکل سروے آف پاکستان اور ہاورڈ یونیورسٹی امریکہ کی ایک مشترکہ ٹیم نے وہیل مچھلی کی ایک ایسی قسم دریافت کی جو باقاعدہ زمین پر چلتی تھی۔ اس کی شکل ڈولفن مچھلی کی طرح تھی اور تقریباً دس فٹ لمبی تھی۔ اس کے ہاتھوں اور پاؤں کی ہڈیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زمین پر بھی چل سکتی تھی اور پانی میں بھی تیر سکتی تھی۔ ڈھانچے کی ظاہری ساخت کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا وزن چھ سو سے سات سو پاؤنڈ کے درمیان ہوگا۔ کوہ سلیمان کے علاقے سے بھی بعض قدیم جانوروں کے فوسلز ملے ہیں۔ 1992ء میں تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازیخان سے بھی وہیل کی تین قدیم قسموں کے فوسلز دریافت ہوئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قسمیں زمین پر چل بھی سکتی تھیں اور اسی طرح پانی میں بھی تیر سکتی تھیں۔

1999ء میں لورالائی کے علاقے میں قدیم وہیل کی چار مزید قسموں کی کھوپڑیاں اور ٹخنوں کی ہڈیاں وغیرہ دریافت ہوئیں۔ ان میں سے ایک قسم پاکستان سے ملنے والی پہلی قسموں سے بالکل مختلف تھی۔ ان فوسلز سے پتہ لگتا ہے کہ وطن عزیز قدیم وہیل مچھلی کی اقسام کے حوالے سے علم کا ایک خزانہ اپنے اندر رکھتا ہے۔

اگر دریافتوں کا یہ سلسلہ جاری رہے تو شاید یہ ثابت ہوسکے کہ قدیم ترین وہیل مچھلی کی پیدائش کا اصل مقام پاکستان تھا۔ چنانچہ پاکستان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہاں سے دریافت ہونے والے ان فوسلز کا ذکر اہم انٹرنیشنل جرائد میں بھی کیا گیا ہے اور فوسل سٹڈی (Fossil Study) کی فیلڈ میں پاکستان دنیا میں ایک اہم نام بن کر ابھرا ہے۔

موجودہ دور تک وہیل کی 76 اقسام (Species) دریافت ہوچکی ہیں۔ سب سے بڑی معلوم وہیل مچھلی 90 فٹ لمبی اور وزن میں 160 سے لے کر 200 ٹن تک ہوتی ہے۔ یہ گوشت خور جانور ہے اور اس قسم کی ایک بڑی وہیل روزانہ تقریباً اڑھائی ٹن گوشت کھا جاتی ہے۔

گرمیوں میں شمالی اور جنوبی قطب کے قریب کے علاقوں میں چلی جاتی ہے اور سردیوں میں بڑے سمندروں میں آجاتی ہے۔ پاکستان میں تونسہ شریف، چشمہ، گدو اور سکھر بیراج کے پانیوں میں ملتی ہے۔ ایک 15 میٹر لمبی وہیل 1980ء کی دہائی میں مکران کے ساحلی علاقے سے ملی تھی جس کا ڈھانچہ پاکستان میوزیم آف نیچرل ہسٹری اسلام آباد میں موجود ہے۔

زندہ باد اے وطن

تیری نہریں، یہ دریا، یہ کوہ و دمن
یہ ہجومِ بہاراں چمن در چمن
تیرا ہر قافلہ سوئے منزل رواں
تیرا ہر نقشِ پا، مہر و مہ کی پھبن
دل کو تیری لگن
زندہ باد اے وطن۔ زندہ باد اے وطن

تیری دولت جوانوں کا عزم جواں
تیرے بوڑھے ہیں عظمت کا زندہ نشاں
تیرے بچے ترے کل کی تقدیر ہیں
مائیں بہنیں ہیں ہمت کی روحِ رواں
تو رہے گا جواں
زندہ باد اے وطن۔ زندہ باد اے وطن

تیری پر کیف و رنگیں فضا کی قسم
تیرا دامن ہے دنیائے لطف و کرم
تیری افواج کے حوصلے، مرحبا
تیرے شہری کو دشمن کا خطرہ نہ غم
تجھ سے راضی ہیں ہم
زندہ باد اے وطن۔ زندہ باد اے وطن

نسیم سیفیؔ

پاکستان کی بری افواج کے پہلے مسلمان کمانڈرانچیف

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان پاکستان کے سابق صدر تھے۔

وہ 14 مئی 1907ء کو ضلع ہزارہ کے گاؤں ریحانہ میں پیدا ہوئے 1922ء میں میٹرک کرنے کے بعد علی گڑھ چلے گئے۔ وہاں فارغ التحصیل ہونے کے بعد رائل ملٹری کالج سینڈ ہرسٹ (انگلستان) سے فوجی تعلیم حاصل کی اور 1928ء میں کمیشن حاصل کیا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران جناب ایوب خان نے برما کے محاذ پر خدمات انجام دیں۔ 1947ء میں کرنل کے عہدے پر ترقی ملی۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں بریگیڈیئر بنا دیا گیا۔ دسمبر 1948ء میں وہ میجر جنرل بنا دیئے گئے اور ان کی تعیناتی مشرقی پاکستان کر دی گئی۔ 1950ء وہ ایڈجیوٹنٹ جنرل (Adjutant General) بنائے گئے۔ اور 17 جنوری 1951ء کو پاکستان کی بری افواج کے پہلے پاکستانی اور مسلمان کمانڈرانچیف کے عہدے پر فائز ہوئے۔

1954ء میں جب محمد علی بوگرہ نے گورنر جنرل کی دعوت پر نئی وزارت تشکیل دی تو اس میں اسکندر مرزا اور ایوب خان کو بھی شامل کیا گیا۔ یوں جنرل ایوب خان پاکستان کے وزیر دفاع بن گئے۔ 1958ء میں جب ملک میں طوائف الملوکی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ تو اسکندر مرزا نے 8/اکتوبر 1958ء کو ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور آئین کو معطل کر دیا۔ جنرل ایوب خاں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔

24/اکتوبر 1958ء کو جنرل ایوب خان وزیراعظم بنا دیئے گئے لیکن فقط تین دن بعد 27/اکتوبر کو انہوں نے صدر اسکندر مرزا کو معزول کر کے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے اختیارات سنبھال لئے۔

صدر ایوب خان نے نہایت تیزی سے ملکی صورت حال کو سنبھالا انہوں نے فوجی اسپرٹ سے رات دن کام کر کے ملک میں کئی مفید اصلاحات نافذ کیں اور معاشی اور معاشرتی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے انتظامی اور معاشی نظام میں انقلابی تبدیلیاں کیں۔

27/اکتوبر 1959ء کو فوج نے صدر جنرل ایوب خان کو ملک کا اعلیٰ ترین فوجی عہدہ فیلڈ مارشل پیش کیا۔ اسی روز ملک میں بنیادی جمہوریت کا نظام نافذ کر دیا گیا۔

17 فروری 1960ء کو فیلڈ مارشل ایوب خان ملک کے صدر منتخب ہوئے 8 جون 1962ء کو انہوں نے مارشل لاء کے خاتمے اور صدارتی طرز حکومت کے نئے آئین کے نفاذ کا اعلان کیا۔

جنوری 1965ء میں ملک میں ایک مرتبہ پھر بنیادی جمہوریت کے نظام پر مبنی صدارتی انتخابات منعقد ہوئے جس میں ایوب خان نے کامیابی حاصل کی۔

ستمبر 1965ء میں جب بھارت نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کیا تو پوری قوم ایوب خان کی قیادت میں سیسہ پلائی دیوار بن گئی۔ حملہ آور پڑوسی ملک کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اقوام متحدہ کی مداخلت پر جنگ بند ہوگئی۔ جنوری 1966ء میں تاشقند کے مقام پر پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط ہوئے جس سے دونوں ملکوں کی افواج جنگ سے پہلے کی پوزیشن پر واپس چلی گئیں۔

پاکستان کے عوام میں اس معاہدے سے بڑی بددلی پھیلی۔ 1968ء میں جب فیلڈ مارشل ایوب خان کے عہد حکومت کو دس سال مکمل ہوئے اور ملک میں عشرہ اصلاحات منایا گیا تو ملک کی تمام سیاسی جماعتوں نے ان کے خلاف تحریک جمہوریت کا آغاز کر دیا۔

ان کے خلاف ملک بھر میں مظاہروں اور ہنگاموں کا آغاز ہوا۔ 25 مارچ 1969ء کو ایوب خان نے ملک کی باگ دوڑ جنرل یحییٰ خان کے سپرد کر دی اور خود سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے گوشہ گمنامی میں چلے گئے۔

20 اپریل 1974ء کو انہوں نے اسلام آباد میں وفات پائی۔ انہیں تمام فوجی اعزازت کے ساتھ ان کے آبائی گاؤں میں دفن کر دیا گیا۔

ایوب خان مرحوم ایک قابل اور مدبر شخصیت تھے۔ اگرچہ چند ماہرین سیاست اور دانشوروں کے نزدیک وہ ایک آمر مطلق تھے اور ان کا دور اور ان کا آئین غیر جمہوری قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ان کے عہد میں پاکستان نے نہ صرف معاشی اور صنعتی طور پر بے حد ترقی کی بلکہ ملک کی خارجہ پالیسی بھی غیر جانبدارانہ اصول پر کاربند رہی جس سے دنیا بھر میں پاکستان کا وقار بلند ہوگیا۔

ایوب خان مرحوم نے اپنی سوانح عمری Friends not Masters کے نام سے تحریر کی تھی۔ جس کا اردو ترجمہ جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی کے نام شائع ہو چکا ہے۔

برصغیر پاک و ہند اور مغربی طاقتیں ۔ تاریخ کے کٹہرے میں

مئی 1498ء میں پرتگالی جہاز راں واسکوڈے گاما راس امید کے راستے ہندوستان میں کالی کٹ پہنچا یہ وہ سال ہے جب شہنشاہ بابر نے سمرقند فتح کیا تھا اور ابھی وہ ہندوستان نہیں آیا تھا۔

1505ء میں ڈی المیڈا ہندوستان میں پرتگالی مقبوضات کا پہلا وائسرائے مقرر ہوا۔

1509ء میں بحر ہند میں عربی بیڑے کو شکست ہوئی یہ شکست پرتگیزیوں نے دی تھی۔

1509ء میں ہی پرتگال کے ہندوستانی وائسرائے البوقرق نے دیو اور گوا پر قبضہ کیا۔ یہ زمانہ احمد نگر کے برہان شاہ کی تخت نشینی کا تھا۔

1515ء میں پرتگیزیوں نے حملہ کر کے ہر چیز پر قبضہ کر لیا۔

1530ء میں بابر نے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

1540ء میں پرتگالیوں نے ہندوستان کی مزید بندرگاہوں پر قبضہ کر لیا۔ یہ شیر شاہ سوری کا زمانہ تھا۔

1580ء میں دربار اکبری میں مسیحی مشن پہلی بار آیا۔

1590ء میں دوسری بار عیسائی مشن آیا۔

1592ء میں ولندیزی کمپنی کا قیام ہندوستان میں ہوا۔ یہ شاہجہان کا زمانہ تھا۔

1600ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام عمل میں آیا۔ یہ شہنشاہ اکبر کا دور تھا۔

1602ء میں پانچ لاکھ چالیس ہزار پونڈ کی مالیت سے ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں قائم ہوئی۔

1612ء میں سورت کے مقام پر انگریزوں کی تجارتی کمپنی قائم ہوئی۔ یہ جہانگیر شہنشاہ کا دور تھا۔

1615ء میں سرٹامس رو برطانوی مملکت کا نمائندہ بن کر جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا۔

1616ء میں ڈنمارک کی کمپنی کا قیام عمل میں آیا۔

1626ء میں انگریزوں نے ایران کے بادشاہ کی مدد سے ہرمز کا علاقہ چھین لیا اور مسولی پٹم میں تجارتی کوٹھیاں قائم کر لیں۔

1632ء میں انگریزوں نے پرتگیزیوں کو ہگلی کے مقام پر شکست دی۔ یہ شہنشاہ شاہجہان کا دور تھا۔

1639ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے چندری گڑھ کے راجہ سے زمین خرید کر تجارتی کوٹھیاں قائم کر لیں اور اس کے اگلے سال سینٹ جارج کا قلعہ تعمیر کیا اور اسی سال مدراس کی بنیاد بھی پڑی۔

1649ء میں جب انگریز دولت مشترکہ برطانیہ کا اعلان کر رہے تھے۔ تاج محل کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی۔ یہ شاہجہان کا زمانہ تھا۔

1652ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے برطانیہ میں جوائنٹ سٹاک ہوم قائم کیا۔ یہ بھی شاہجہان کا دور تھا۔

1660ء میں بمبئی کی بنیاد ڈالی گئی۔

1661ء میں فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی نے دریائے ہگلی کے مقام پر اپنا ایک کارخانہ قائم کر لیا۔ یہ اورنگزیب عالمگیر کا زمانہ تھا۔ اس کے اگلے سال یعنی 1662ء میں اپنی باقاعدہ کمپنی قائم کی۔

1668ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے سورت اور بمبئی میں تجارتی کوٹھیاں بنالی تھیں اور اسی سال چارلس دوم شاہ انگلستان کے حکم سے بنگال میں فورٹ ولیم کی بنیاد کلکتہ میں ڈالی گئی۔ یہ بھی عالمگیر کا دور تھا۔

1674ء میں فرانسیسیوں نے پانڈی چری کی بنیاد ڈالی۔

اورنگزیب عالمگیر نے بادشاہی مسجد لاہور مکمل کی۔

1679ء میں بمبئی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف بغاوت ہوئی لیکن کمپنی نے اسے کچل دیا۔

1685ء میں اورنگزیب ایسٹ انڈیا کمپنی سے ناراض ہو گیا اور ان کو تقریباً ہندوستان بدر کرنے کے انتظامات کر لئے لیکن چالاک انگریزوں نے معافی مانگ کر پھر اپنے آپ کو مستحکم کر لیا۔ بعد میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا ہیڈ کوارٹر سورت سے بمبئی منتقل کر دیا ان کے علاوہ احمد آباد، برہان پور، اجمیر، آگرہ، الہ آباد، پٹنہ اور ڈھاکہ وغیرہ میں تجارتی کوٹھیاں بھی دو سال کے اندر تعمیر کرالیں۔ یہ بھی عالمگیر ہی کا زمانہ تھا۔

1690ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے کلکتہ میں فورٹ ولیم کے نام سے ایک قلعہ اور ایک کارخانہ قائم کر کے کلکتہ شہر کی بنیاد ڈالی۔

1694ء میں انگریزوں نے نئی کمپنی قائم کی۔

1702ء میں دونوں ایسٹ انڈیا کمپنیوں کا اتحاد ہو گیا۔

1716ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے مغل بادشاہ فرخ سیر سے مکمل تجارتی مراعات حاصل کر لیں۔

1740ء میں ڈوپلے کو ہندوستان میں فرانسیسی مقبوضات کا وائسرائے مقرر کیا۔ یہ محمد شاہ رنگیلے کا دور تھا۔

1742ء میں مرہٹوں نے بنگال پر قبضہ کر لیا اور بمبئی میں انگریزوں کی تجارت کو تہس نہس کر دیا لیکن مرہٹے اپنی فتح قائم نہ رکھ سکے اور انگریز حیلے بہانے سے واپس آگئے۔

1744ء میں رابرٹ کلائیو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک معمولی کلرک کی حیثیت سے ہندوستان آیا۔

1745ء میں کرناٹک کے نواب نے انگریزوں کو فرانسیسی مقبوضات پانڈی چری پر گولہ باری کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

1746ء میں انگریزوں اور کرناٹک کے نواب کے درمیان پہلی لڑائی ہوئی جو 1748ء تک جاری رہی۔ 1746ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی پہلی لڑائی ہوئی۔

1748ء میں ڈوپلے نے پانڈی چری پر انگریزوں کا غلبہ پسپا کر دیا مگر مدراس انگریزوں کو واپس مل گیا۔ یہ محمد شاہ رنگیلے کا دور تھا۔

1749ء میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی دوسری لڑائی ہوئی جو 1784ء تک جاری رہی یہ احمد شاہ کا دور تھا۔

1751ء میں کلائیو نے فرانسیسی کمپنی سے ارکاٹ کا علاقہ واپس چھین لیا جو ہندوستان میں انگریزی اقتدار کا نقطہ آغاز تھا اور اسی سال انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان جنگ کا آغاز ہوا۔

1756ء میں یورپ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی دس سالہ شدید جنگ کا خاتمہ ہوا جس میں فرانسیسی حکومت کو شکست ہوئی اور اسی سال ہندوستان میں انگریز بہت زیادہ طاقتور ہو گئے۔ یہ مغل شہنشاہ عالم ثانی کا دور تھا۔

1757ء میں انگریزوں نے سراج الدولہ کو پلاسی کے مقام پر شکست دی اور میر جعفر کو تخت نشین کر دیا۔ یہ میر جعفر تاریخ میں قومی غداروں کا نشان بن گیا۔

1758ء میں انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان کرناٹک کے مقام پر تیسری لڑائی ہوئی جو 1761ء تک جاری رہی۔ اسی سال یعنی 1761ء میں احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کی لڑائی میں مرہٹوں کو تاریخ کی سب سے بڑی شکست سے دوچار کیا۔ یہ شاہ عالم ثانی کا دور تھا۔

1760ء میں میر جعفر غدار کو معزول کر دیا گیا۔ اس وقت شاہ علم ثانی کا دور تھا۔ صرف تین سال بعد میر جعفر نے غداری کا صلہ پایا لیکن ہمیشہ کے لئے مسلم حکومت کا چراغ گل کر دیا۔

1763ء میں پیرس میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے درمیان معاہدہ ہوا جس میں فرانس نے کینیڈا کے ایک حصہ اور ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تسلیم کر لیا۔

1767ء میں میسور کی پہلی جنگ ہوئی جس میں انگریزوں کو زک اٹھانی پڑی یہ بھی شاہ عالم ثانی کا دور تھا۔ 1777ء میں انگریزوں نے روہیل کھنڈ کے حافظ رحمت خان کو شکست دے کر ایک مضبوط اور بہادر مسلم حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

1779ء میں میسور کی دوسری جنگ ہوئی۔

1785ء میں غلام قادر روہیلے نے دہلی پر قبضہ کر لیا اور 1788ء میں شاہ عالم ثانی کو اندھا کر دیا اور تمام شہزادیوں کو گھونگھرو بندھوا کر زبردستی اپنے سامنے نچوایا۔

1790ء میں میسور کے مقام پر انگریزوں اور سلطان ٹیپو کے درمیان تیسری جنگ شروع ہوئی جو دو سال تک جاری رہی۔ نابینا شاہ عالم ثانی مرہٹوں کی سرپرستی میں مغل سلطنت کا بادشاہ تھا اور اسی سال انگلستان میں مشہور زمانہ اخبار The Time شائع ہوا جو اب تک انگلستان کا سب سے باوقار روزنامہ اخبار ہے اور دو سو سال سے مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

1799ء میں ٹیپو سلطان شہید کی انگریزوں سے میسور کی چوتھی لڑائی ہوئی جس میں میسور انگریزوں نے فتح کر لیا اور سلطان لڑتا ہوا میدان جنگ میں شہید ہوا۔ اس جنگ میں دکن کے میر صادق نے سلطان ٹیپو کو شہید کرانے میں انگریزوں کا پورا ساتھ دیا۔ یہ مسلم تاریخ ہند کا بنگال کے میر جعفر کے بعد دوسرا سب سے بڑا غدار ہے۔

1803ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے مکمل اپنی حکومت قائم کر لی اور شاہ عالم ثانی کو اپنا وظیفہ خوار بنا لیا۔ اس طرح مغل حکومت نزع کی آخری ہچکیوں تک پہنچ گئی۔

1806ء میں شاہ عالم ثانی کی وفات ہوئی۔

1809ء میں انگریزوں اور تالپوروں کے درمیان معاہدہ ہوا۔

1837ء میں اکبر شاہ ثانی کی وفات ہوئی۔

1843ء میں عہد شکنی کر کے انگریزوں نے سندھ اور بلوچستان پر قبضہ کر لیا اور ادھر اودھ کی زرخیز زمین میں واجد علی شاہ کی نوابی تھی۔

1856ء میں انگریزوں نے نواب واجد علی شاہ کی حکومت ختم کر دی اور اودھ پر قبضہ کر لیا۔

1857ء میں انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر کے مغلیہ حکومت ختم کر دی۔

1859ء 9 جولائی کو واجد علی شاہ معزول کئے جانے کے بعد لکھنؤ سے کلکتہ لائے گئے اور فورٹ ولیم کے قلعے میں نظر بند رکھنے کے بعد دریائے ہگلی کے کنارے ''مٹیا برج'' نامی نو تعمیر شدہ قلعہ نما مکان میں آزاد نظر بند کے طور پر رکھے گئے اور 3 ستمبر 1887ء کو وفات پائی۔

1862ء میں بہادر شاہ کی رنگون میں عالم بیچارگی میں وفات ہوئی اور اس سرزمین ہند پر 712ء سے ابھرا ہوا اسلامی حکومت کا سورج 1857ء میں ایک ہزار ایک سو پینتالیس سال کے بعد ڈوب گیا اور 1862ء میں آخری تاجدار بے بسی کے عالم میں وفات پا گیا۔

1947ء میں انگریز برصغیر سے چلے گئے اور دو آزاد ممالک پاکستان اور بھارت قائم ہوئے۔

لہو رنگ تاریخ وطن

اگست 47ء کے اواخر میں برادر گرامی قدر حضرت ثاقب زیروی کے خاندان کے چند بچے کھچے افراد کے ساتھ پیدل پاکستان پہنچنے کی دلدوز تفاصیل سے متاثر ہو کر......(شرقی)

میں نے تاریخ وطن اپنے لہو سے لکھی
سرخرو میں نے کیا جذبہ آزادی کو

میں نے دل نذر کیا جان و جگر بھی سونپے
میں نے سر پیش کیا وقت کی جلّادی کو

میرے احباب یہ کہتے ہیں کہ اک گونج کے ساتھ
میں نے آواز دی اڑتی ہوئی بربادی کو

لوگ کہتے ہیں کہ ہے میری سماعت مشکوک
میں نے کچھ کہتے سنا تھا دل فریادی کو

مستند کوئی مورخ تو نہیں ہوں لیکن
میں نے لکھا نہ بھکارن کسی شہزادی کو

تپتے صحراؤں میں جب قافلۂ دل نکلا
میں نے سیلاب مظالم کو ابلتے دیکھا

خون آلود سے رستوں میں مری آنکھوں نے
ابن آدم کو درندوں میں بدلتے دیکھا

جور حالات کے دریاؤں کی طغیانی میں
میں نے معصوم سفینوں کو نہ چلتے دیکھا

ان گنت چہروں کو جب دست ہوس نے نوچا
میں نے یزداں کے کلیجے کو دہلتے دیکھا

بربریت کی سلگتی ہوئی سنگینوں سے
میں نے لاشوں کے حصاروں کو پگھلتے دیکھا

دودھ پیتے ہوئے بچوں کے دل نازک کو
سنگ و آہن کے دباؤ سے کچلتے دیکھا

میں نے محسوس کئے صبح خنک میں شعلے
میں نے تاروں کو بھی انگاروں میں ڈھلتے دیکھا

آگ جو ظلم کے ایندھن سے ہوئی تھی روشن
میں نے انسان کو اس آگ میں جلتے دیکھا

چند یادوں کا لہو رنگ کفن ہوں میں بھی
چند مرحوم امیدوں کا چمن ہوں میں بھی

چند زخموں کی بڑی تلخ چبھن ہوں میں بھی
صبح آزادیٔ ملت کی کرن ہوں میں بھی

شرقی بن شائق

C.P.L 29-FD